بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفع الرّیب والھرعن استحباب التامین بالسّر

معروف بہ

نماز میں آہستہ آمین کہنا
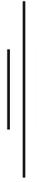
مفتی رضاء الحق اشرفی

ناشر

اہل سنت ریسرچ سینٹر ممبی ملحقہ السید محمود اشرف دار التحقیق والتصنیف

جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع امبیڈ نگر یوپی

نام کتاب : دَفْعُ الرَّیْبِ وَالھِر عَنْ اِسْتِحْبَابِ التَّامِیْنِ بِالسِّر

: معروف بہ: نماز میں آہستہ آمین کہنا

مصنف : مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی

کمپوزنگ : محمد نذر الباری اشرفی جامعی (استاذ جامع اشرف کچھوچھہ شریف)

تزئین کار : مولانا جابر حسین مصباحی

سن اشاعت : مئی 2017ء

تعداد : 1100

صفحات : 112

قیمت : 90

ناشر : اہل سنت ریسرچ سینٹر ممبئی۔

ملنے کے پتے

☆ السید محمود اشرف دار التحقیق والتصنیف جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ۔ 8423443475

☆ اہل سنت ریسرچ سینٹر جوگیشوری ممبئی۔ 9987517752

☆ اہل سنت ریسرچ سینٹر شاخ ناسک سیٹی۔ 9623766618

☆ اہل سنت ریسرچ سینٹر شاخ مالیگاؤں۔ 9890345463

☆ اہل سنت ریسرچ سینٹر شاخ پونے۔ 09890986728

☆ مکتبہ فیضان اشرف خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارکلاں کچھوچھہ مقدسہ ۔ 9451619386

☆ الاشرف اکیڈمی دہلی۔ 9891105516

☆ الاشرف اکیڈمی راج محل صاحب گنج جھارکھنڈ۔ 8869998234

فہرست کتاب

اہل سنت ریسرچ سینٹر (ARC)

ہماری تمام مطبوعات درج ذیل آفس سے حاصل کریں

ہیڈ آفس: A-140 فرسٹ فلور کرشمہ اپارٹمنٹ، ہل پارک کے سامنے، اگروال اسٹیٹ جوگیشوری ویسٹ، ممبئی 400102 فون نمبر 9987517752

برانچ آفس

1۔ اہل سنت ریسرچ سینٹر آفس، دودھ بازار، پولیس چوکی کے پیچھے، ناسک سیٹی، مہاراشٹر 422001 فون نمبر 9623766618

2۔ اہل سنت ریسرچ سینٹر آفس، خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں، خوش آمد پورہ، مالیگاؤں، ضلع ناسک۔ 423203 فون نمبر 9890345463

3۔ اہل سنت ریسرچ سینٹر آفس، 1190 روی وار پیٹھ، بیگ بان مسجد، رنکا جویلرس کے نزدیک، پونے، مہاراشٹر 411002۔ فون نمبر 9890986728

عرض ناشر

الحمدللہ بہت ہی قلیل مدت میں ''اہل سنت ریسرچ سینٹر'' اپنی ایک شناخت بنا چکا ہے اور اس کے مختلف شعبہ جات میں مختلف انداز سے ہونے والے پروگرام عوام اہل سنت و دیگر حضرات کے سامنے ہیں۔ ہم اپنے مقصد میں کس قدر کامیاب ہیں اس کا فیصلہ ہم آپ پر چھوڑتے ہیں۔

سلسلہ اشاعت کتب میں اب تک ۹ رکتابیں مختلف سلگتے ہوئے مسائل پر منظر عام میں آچکی ہیں۔ یہ کتاب ''نماز میں آہستہ آمین کہنا'' اسی سلسلہ کی دسویں کڑی ہے۔ چوں کہ ہمارا اولین مقصد ''عوام اہل سنت کو ان کے عقائد و مسائل اور معمولات پر دلائل فراہم کرنا'' ہے، مخالفینِ اہل سنت کا الزام ہے ''مقلدین احادیث کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرتے ہیں'' اس الزام کا ہم مسکت جواب پیش کرتے ہیں۔ کتاب ہذا میں اپنے موقف کی تائید میں مستند اور صحیح احادیث جمع ہیں۔ آپ اسے پڑھیں اور اپنے موقف و مذہب کے دلائل کو محفوظ کریں، یقیناً باطل پرست راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ہم شکر گزار ہیں اپنے قائد ملت اور مبلغ اعظم حضرت علامہ سید شاہ محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ و سربراہ اعلی جامع اشرف کا جنہوں نے وقت کی نزاکت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اس سینٹر کو قائم فرمایا اور محقق عصر حضرت علامہ مفتی محمد رضاء الحق اشرفی صاحب ڈائریکٹر السید محمود اشرف دار التحقیق والتصنیف جامع اشرف کا جنہوں نے مذکورہ مسئلہ کو کتاب و سنت کے حوالے سے منقح فرمایا۔ ساتھ ہی ساتھ ہم مشکور ہیں مفتی محمد نذر الباری اشرفی صاحب استاذ جامع اشرف و ریسرچ اسکالر اہل سنت ریسرچ سینٹر کا جنہوں نے کتاب ہذا کی طباعت کے سارے مراحل کو بحسن و خوبی مکمل فرمایا اور مولانا حافظ ہارون اشرفی استاذ جامع اشرف کا بھی جنہوں نے کتاب کی کمپوزنگ و پروف ریڈنگ میں تعاون کیا۔ مولیٰ تبارک تعالیٰ سینٹر کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور دین وسنیت کی خدمت خوب سے خوب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اراکین اہل سنت ریسرچ سینٹر ممبئی۔

مقدمۂ کتاب

از: مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام کے داخلی فتنوں میں سے فتنۂ وہابیت وغیر مقلدیت ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اسلامی وحدت میں سیندھ لگانے کے لئے نظریۂ عدمِ تقلید کو مخالفین اسلام نے ایک عظیم ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ چناں چہ آج ائمہ مجتہدین سے فکری انحراف نے ملّی وحدت کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ نابالغ یا نوبالغ افکار و اذہان کے حاملین بھی بڑی جرأت و بے باکی کے ساتھ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ہمیں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی کیا ضرورت ہم تو صاحب فہم وفکر ہیں، قرآن وحدیث سے براہِ راست شرعی مسائل کا استخراج کر سکتے ہیں۔ اسی فکری کج روی کا نتیجہ ہے کہ کلمہ گو مسلمانوں کا ایک طبقہ ائمہ مجتہدین اور اسلافِ امت کے خلاف زبان درازی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ حالاں کہ قرآن وسنت کے صحیح فہم وادراک کے لئے اُن حضرات کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے۔

اس بات پر جمہور امت مسلمہ کا اجماع ہو چکا ہے کہ چار فقہی مذاہب (حنفی ، مالکی، شافعی، حنبلی) کے مدون ومرتب ہو جانے کے بعد شرعی مسائل میں ہر غیر مجتہد فقیہ کے لئے خواہ وہ عالم ہو یا عامی یہ بات واجب ہے کہ وہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک مذہب معین کی پیروی کرے۔

فرقۂ وہابیہ واہل حدیث کے مقتدا شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے خود لکھا ہے کہ میرے تعلق سے یہ جو کہا جاتا ہے کہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں اور میں کسی امامِ مذہب کا مقلد

نہیں ہوں تو یہ مجھ پر بہتان ہے۔(الرسائل الشخصیۃ 1 / 33)

شیخ نجدی صاحب کے قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید لازم ہے۔

ایک نجدی عالم شیخ صالح بن عبداللہ الاطرم جو کلیۃ الشریعۃ بجامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے سابق استاذ تھے، انہوں نے اپنی کتاب ''اعتماد فقہ دعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب علی الکتاب والسنۃ'' جلد 1 صفحہ 297 پر لکھا ہے: چاروں ائمہ کا اجماع حجت ہے۔ حق ان کے اقوال سے خارج نہیں، لہذا قاضی ان کے اجماعی قول سے نہ نکلے۔ چاروں مذاہب میں سے ہر ایک کی تقلید پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اُن کے علاوہ دوسرے اماموں کی تقلید پر اجماع نہیں۔ کیوں کہ صرف انہیں چاروں ائمہ کے مذاہب مدون ہوئے ہیں اور منقح ہو کر کتابوں میں آئے ہیں''

حیرت ہے کہ وہابیوں کے شیوخ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ چاروں مذاہب برحق ہیں، اُن کی تقلید لازم ہے، حق اُنہی کے ساتھ ہے، لیکن آج غیر مقلد واہل حدیث مولوی اور متشدد عوام حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسلمانوں کو باطل پرست، گمراہ بلکہ مشرک بھی کہہ رہے ہیں؟

اگر سارے مقلدین گمراہ ومشرک ہیں اور انہیں وہابی شیوخ اہل حق کہہ رہے ہیں تو گمراہ ومشرک کو اہل حق کہنے والے پر کیا حکم شرعی ہے؟؟

غیر مجتہد اور عام مسلمانوں کے لئے شرعی مسائل کی معلومات حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ فقہاء ومجتہدین نے کتاب وسنت، اجماع وقیاس کے ذریعہ جو شرعی احکام مستخرج کئے ہیں اور جو کتبِ فقہ میں محفوظ ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ نماز میں تکبیرِ افتتاح کے سوا کہیں پہ رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا ہے، نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا چاہئے یا

سینے پر، امام کے پیچھے مقتدی قرأت کرے یا نہ کرے، نماز میں بلند آواز سے آمین کہیں یا آہستہ، اِن مسائل کو جاننے کے لئے چاروں مذاہب کی کتب فقہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ ہر مقلد کو چاہئے کہ اپنے مذہب کی کتب فقہ یا عالم دین سے مسئلہ معلوم کر کے اپنے امام کے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ کیوں کہ چاروں مذہب کے مسائل کتاب وسنت، اجماع وقیاس ہی سے مستخرج ہیں۔

عام لوگوں کا یہ منصب نہیں کہ وہ شرعی مسائل کو جاننے کے لئے قرآنی آیات، احادیث، آثار صحابہ کو تلاش کریں یا از خود قیاس کریں۔ محدثین کا منصب بھی احادیث سے احکام شرعیہ کا استخراج واستنباط نہیں تھا۔ اُن کی ذمہ داری احادیث کی جمع وتدوین، روایات کی چھان بین اوران کی صحت وسقم کا علم حاصل کرنا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مجتہد محدثین نے بھی فقہی مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اجتہاد واستنباط پر اعتماد کیا ہے اور ان کی تقلید کی ہے۔ چنانچہ محدثین میں کوئی حنفی نظر آتا ہے تو کوئی مالکی وشافعی تو کوئی حنبلی۔ روایات کی چھان بین کرنے والے اہل علم کو محدثین یا اہل الحدیث کہا گیا اور کتاب اللہ واحادیث واجماع وقیاس کی روشنی میں احکام ومسائل نکالنے والے علماء کو فقہاء یا اہل الرای کا نام دیا گیا۔ ہر گروہ اپنے اپنے منصب پر رہتے ہوئے امت مسلمہ کی رہنمائی کے فرائض انجام دیتا رہا۔ کبھی کسی نے اپنے منصب کو چھوڑ کر دوسرے کے منصب میں گھس پیٹھ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سواد اعظم کی اجتماعیت ''تقلید شرعی'' کے مضبوط دھاگے سے منسلک رہی۔ لیکن ڈیڑھ دوصدی پہلے فتنۂ عدم تقلید کی ہوا چلی اوراب وہ طوفان بلاخیز بن کر امت مسلمہ کی وحدت کو خس وخاشاک کی مانند بہالے جانے پر آمادہ ہے۔ اس پر ستم یہ کہ اِس فرنگی سازش کو نادانوں نے اتباع کتاب وسنت کے خوش نما لباس میں ملبوس کر کے پیش

کیا، جس کے دام فریب میں پھنس کر بھولے بھالے خوش عقیدہ مسلمان راہِ حق سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

بات فروعی فقہی مسائل کے اختلاف کی حد تک ہوتی تو بے چینی کی بات نہ تھی لیکن ''اتباع حدیث'' کے نام پر گمراہ گری کا جوتانا بانا بُنا جا رہا ہے، بر وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور غیر مقلدیت کے تار و پود کو نہ بکھیرا گیا تو اندیشہ ہے کہ خوش عقیدہ مسلمانوں کو گمرہی و بد عقیدگی سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔

ماضی میں ہمارے اکابر علماء نے اس فتنے کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگا لیا تھا اور انہوں نے اپنے دور کے ماحول اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے زبان و قلم کے ذریعہ غیر مقلدیت کا رد بلیغ فرمایا تھا۔ ان کا کارنامہ یقیناً قابل قدر و قابل ذکر ہے۔ لیکن پچھلی تین دہائیوں سے اہل سنت و جماعت کے باہمی انتشار و اختلاف اور اپنے فرائض سے غفلت کے نتیجے میں غیر مقلدیت و وہابیت کو پھیلنے بڑھنے کا خوب موقع ملا۔ ایک سروے کے مطابق صرف شہر حیدرآباد میں پچھلے بیس تیس سالوں میں اہل حدیث کی مساجد کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو تک پہنچ چکی ہے، جبکہ اس سے قبل یہ تعداد ایک درجن سے زائد نہ تھی۔ کم و بیش اعداد و شمار کا یہ تناسب دیگر شہروں میں بھی ہوگا۔

راقم الحروف کا تجزیہ یہ ہے کہ زیادہ تر تعلیم یافتہ نوجوانوں کو فقہی مسائل کے حوالے سے اتباع احادیث کی آڑ میں اہل حدیث بنایا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب حنفی کے فقہی مسائل کو قرآنی نصوص، احادیث و آثار و دلائل شرعیہ سے مدلل کر کے پیش کیا جائے اور نوجوانوں میں گروہ اہلِ حدیث کی جانب سے احادیث کے تعلق سے جو مرعوبیت و مغلوبیت کا احساس پیدا ہوتا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے انہیں مختلف زبانوں

میں تحریری مواد فراہم کر دیا جائے ،تا کہ صحیح حدیث کے پردے میں گمراہ گری کا جو گھناؤنا کھیل ہو رہا ہے،خوش عقیدہ نوجوان مسلمان اس سے باخبر رہیں۔اسی کاوش کی ایک کڑی یہ کتاب ''نماز میں آہستہ آمین کہنا'' ہے۔کتاب ہذا میں آہستہ آمین کہنے کے سنت وافضل ہونے پر کتاب وسنت اوراحادیث وآثار سے دلائل پیش کئے گئے ہیں اور غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات بھی دئے گئے ہیں۔

الحمدللہ نجدیوں ،وہابیوں کے پُرخطر اور باریک چال کو مبلغ اسلام ،قائدملت ،مقتدائے اہل سنت محمود المشائخ حضرت مولانا ابوالمختار سید شاہ محمد محمود اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ وسرپرست اعلی مدرسہ جامع اشرف کچھوچھہ شریف نے محسوس فرمایا اور مدرسہ جامع اشرف کے شعبۂ تحقیق سے ملحق کر کے ممبئی کی سرزمین پر ایک دعوتی ،علمی ،اشاعتی وفلاحی ادارہ ''اہل سنت ریسرچ سینٹر''(ARC) قائم فرمایا جو روزاول ہی سے نمایاں علمی ،تحقیقی ،اشاعتی اور فلاحی کام انجام دے رہا ہے۔اس کا برانچ ناسک اور مالیگاؤں میں قائم ہونے کے بعد اب تیسرا برانچ شہر پونا میں قائم ہونے جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ سینٹر کی ہمہ جہت ترقی کی راہیں کھول دے اور بانی ادارہ کا سایہ اہل سنت کے سروں پر تادیر قائم رکھے۔اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور دارین کی سعادتیں عطا کرے سینٹر کے جملہ اراکین و معاونین کو جو دین بیزاری اور علمائے دین سے دوری کے ماحول میں دینی وعلمی کاموں کے لئے اپنا سرمایہ اور وقت صرف کر رہے ہیں۔یقیناً ان کی کاوشیں اور خدمتیں قابل قدر ہیں اور لائق تقلید بھی۔مولا تبارک وتعالیٰ سب کو آسیب روزگار سے محفوظ رکھے۔رب کریم اقبال بلند فرمائے مفکر اہل سنت حضرت علامہ قمر احمد اشرفی ناظم اعلی جامع اشرف کا جو حضور قائدملت کے تمام تعلیمی منصوبوں اور تحریکوں کو تقویت دینے کے لئے اپنی بے لوث خدمات

کے ساتھ بروقت حاضر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامع اشرف کے جملہ اساتذہ وکارکنان کو بھی دارین کی خیر سے ہمکنار فرمائے جو خانقاہ اشرفیہ سرکارکلاں اور جامع اشرف کے روحانی و علمی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ میں اُن تمام حضرات کا بھی مشکور ہوں اوران کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے اِس کتاب کو طباعت کے مراحل تک پہونچانے میں کسی قسم کا تعاون کیا ہے۔ اللہ رب العزت سب کو دین و دنیا کی سرخروی عطا فرمائے۔

اخیر میں فقیر اشرفی کی ایک گزارش اُن حضرات کی بارگاہ میں ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ غیر مقلدین ووہابیہ اور دیگر باطل فرقوں کے رد میں کتابیں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے بس وہی کافی ہے۔ یقیناً باطل وگمراہ فرقوں کے رد میں ہمارے بزرگوں نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن بزرگوں کی اُن تحریروں کو دور حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے منظر عام پر لانے کے لئے ہمیں کچھ کرنا ہے یا نہیں؟ کیا بزرگوں کی ان تحریروں کو تبرک بنا کر رکھنے اور اِس خوش فہمی میں مبتلا رہنے سے سب کچھ حاصل ہو جائے گا کہ ہمارے بزرگوں نے بہت کچھ لکھ دیا ہے۔ بزرگوں نے ''بہت کچھ لکھ دیا ہے'' کو ''سب کچھ لکھ دیا ہے'' سمجھ کر خواب خرگوش کے مزے لیتے رہنا یا صرف ''تنقید بے جا'' کے لئے بیدار رہنا دین وسنیت کی خدمت نہیں۔ کام کے بہت سے سیکٹر خالی پڑے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ جو فیس بک، واٹس ایپ اور سوشل میڈیا میں ملت کے نوجوانوں اور اہل سنت کے علماء دین پر تنقید کے لئے لمبے لمبے مضامین لکھنے اور محض مشورے دینے میں اپنا پورا وقت صرف کرتے ہیں، انہیں چاہئے کہ اصلاحِ قوم وملت اور خدمت دین وسنیت کے لئے اپنی صلاحیت کے مطابق کوئی مناسب شعبہ اختیار کرلیں۔ ان حضرات سے مخلصانہ گزارش ہے کہ ہوسکے تو تعاون باہمی کا مظاہرہ کیجئے۔ یہ نہ ہوسکے تو ٹانگ کھینچنے کی عادت خدارا چھوڑ

دیجیے۔ ’’ہم کریں گے نہ کرنے دیں گے، ہم صرف تنقید کریں گے‘‘ والا مزاج بدلئے۔ مثبت سوچ پیدا کیجیے۔ اہل سنت ریسرچ سینٹر نے بفضلہٖ تعالی اپنے اسباب و وسائل کے مطابق اہل سنت کے فروغ و استحکام کے لئے کام کرنے کا آغاز کیا ہے۔ سینٹر نے ابھی اگر دارالعلوم دیوبند یا جامعہ سلفیہ بنارس کے مقابلے میں کوئی جامعہ، کوئی یونیورسیٹی، کوئی ادارہ قائم نہیں کیا ہے تو دعا کیجیے کہ وہ یہ کام بھی کر سکے۔ اُس کے لئے آپ بھی ہر ممکن تعاون کیجیے ورنہ خود یہ کام انجام دینے کی کوشش کریں۔ لیکن خدا کے واسطے سینٹر کی جانب سے اہل سنت کے عقائد و نظریات و مسائل و معمولات کے حوالے سے جو علمی و تحقیقی کام ہو رہے ہیں اہل سنت و جماعت کے فروغ کے لئے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ذریعہ جو خدمات انجام دی جا رہی ہیں، اُن کو ہدفِ ملامت نہ بنایئے۔ آپ کو کسی کام کے طریق کار سے اختلاف ہو، کوئی شکایت ہو تو اُسے یا تو بحسن و خوبی دور کیجیے ورنہ اسے اپنی ذات تک محدود رہنے دیجیے۔ سنی ہو کر تمام اہل سنت و جماعت کو ’’سینٹر‘‘ سے بدظن ہرگز نہ کیجیے۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ ہم تمام اہل سنت و جماعت کو دین و سنیت کی خدمات کے لئے متحد فرمائے اور اہل سنت کی تمام تنظیموں، اداروں، تحریکوں کو دوام و استحکام اور فروغ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین ﷺ و آلہ و صحبہ اجمعین۔

رضاء الحق اشرفی مصباحی

دارالتحقیق جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف

یکم شعبان ۱۴۳۸ھ/29 اپریل 2017ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لفظِ آمین کی تحقیق

آمین ،نون کے زبر کے ساتھ ہے جو وقف کے وقت آمین نون کے سکون کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ ''اسمِ فعل'' ہے۔اس کا معنی ہے اِستَجِب ُ۔اے اللہ میری دعا کو قبول فرما لے (ارشاد الساری 98/2)

آمین ،مد کے ساتھ کہنا چاہئے۔علامہ نووی شافعی تحریر فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ فِی التَّامِیۡنِ اَنۡ یَقُوۡلَ آمِین بِالمَدِّ وَقَدۡ تَقَدَّمَ بَیَانُ لُغاتِها وَاَنَّ الۡمُختَارَ آمِین بِالمَدِّ وَتَخفِیفِ الۡمِیمِ وَبِهٖ جاءَ تُ رِوَایَاتُ الۡاَحادِیۡثِ ۔

ترجمہ: آمین کہنے کا طریقہ یہ ہے کہ مد اور میم کی تخفیف کے ساتھ کہے، یہی پسندیدہ طریقہ ہے، احادیث میں ایسا ہی آیا ہے۔آمین میں دوسری لغات کا ذکر بھی پہلے ہوا۔(المجموع شرح المھذب 373/3)

علامہ نووی مزید فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا اَلمَعۡرُوفُ اَلۡمَدُّ وَاِنَّمَا جاءَ تُ مَقۡصُورَةً فِی ضَرُورَةِ الشِّعۡرِ ۔

ترجمہ: علماء نے فرمایا ہے کہ آمین مد کے ساتھ معروف ومشہور ہے اور ضرورتِ شعر کی وجہ سے بغیر مد کے بھی منقول ہے۔(ایضا)

واحدی نے امام حمزہ وکسائی سے مد اور اِمالہ کے ساتھ میم کی تخفیف سے ایک لغت نقل کی ہے۔(ایضا) اور حضرت حسن بصری، حضرت جعفر صادق وحضرت حسین بن فضل بلخی سے ایک لغت مد اور میم کی تشدید کے ساتھ آمّین بھی نقل کی گئی ہے، مگر جمہور کا خیال یہ ہے کہ یہ لغت غلط اور لحن ہے۔(ایضا) اگرچہ احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس سے

نماز فاسد نہیں ہوگی۔(بحر الرائق 1/331)

لفظ آمین دعا ہے

حضرت عطا بن ابی رباح تابعی رضی اللہ عنہ کا قول صحیح بخاری میں ہے: آمین دعاءٌ (صحیح بخاری 156/1) آمین دعا ہے۔آمین کا معنی ہے: اے اللہ میری دعا کو قبول فرما۔ لفظِ آمین کے دعا ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔شیخ وھبہ بن مصطفیٰ الزحیلی نے لکھا:

آمین دعاءٌ ای تَقَبَّلْ مِنّا وَاسْتَجِبْ دُعَاءَ نَا وَھِیَ لَیْسَتْ مِنَ الْقُرْآنِ۔

ترجمہ: آمین دعا ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما۔آمین قرآن کا حصہ نہیں۔(التفسیر المنیر 1/57)

مشہور اہل حدیث عالم شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے:

وَمَعْنٰی آمِیْن اَللّٰھُمّ اسْتَجِبْ عِنْدَالْجُمْھُوْر۔

ترجمہ: آمین کا معنی جمہور کے نزدیک ''اے اللہ قبول فرما'' ہے۔(تحفۃ الاحوذی 2/58)

آمین بلند آواز سے کہنا چاہئے یا آہستہ

فرقۂ روافض ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' کے بعد آمین کہنے کا انکار کرتے ہیں،اور یہ کہتے ہیں کہ آمین کہنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔خواہ بلند آواز سے کہے یا آہستہ۔روافض تو اہل سنت سے خارج و گمراہ ہیں،اس لئے ہم ان کو پس پشت ڈالتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک بالاتفاق نماز میں آمین کہنا سنت ہے۔اس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔اہل سنت و جماعت میں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا اور اسے مبطلاتِ صلاۃ میں شمار نہیں کرتا،جیسا کہ روافض کرتے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کے فقہاء و محدثین کے درمیان اس بات میں جزوی اختلاف ہے

کہ نماز میں آمین بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ؟ بعض ائمہ بلند آواز سے کہنے کو افضل فرماتے ہیں اور بعض آہستہ کہنے کو افضل کہتے ہیں۔ جو حضرات اہل سنت بلند آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں وہ آہستہ آمین کہنے والوں کو مخالفِ سنت نہیں کہتے اور انہیں لعن طعن نہیں کرتے۔ اسی طرح جو حضرات اہل سنت آہستہ آمین کہنے کے قائل ہیں وہ زور سے کہنے والے حضراتِ اہل سنت کو مخالفِ سنت نہیں کہتے اور انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بناتے۔ لیکن ایک نومولود متشدد، گمراہ فرقہ "اہل حدیث و وہابیہ" دوسرے فقہی اختلافی مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی تشدد سے کام لیتا ہے اور آہستہ آمین کہنے والوں کو مخالفِ سنت کہتا ہے اور ناخواندہ وکم خواندہ مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ آمین بالسر (آہستہ آمین کہنے) کے مستحب ہونے پر دلائل پیش کردئے جائیں اور وہابیہ وغیر مقلدین کے شبہات واعتراضات کے جوابات بھی دے دیے جائیں، تاکہ سنی مسلمانوں کو وہابیوں کی گمراہ گری سے محفوظ رکھا جائے۔ سب سے پہلے ہم اس مسئلے میں ائمہ دین کے مذاہب ذکر کریں گے پھر اپنے موقف پر دلائل ذکر کریں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ امام آمین نہیں کہے گا اور مقتدی آہستہ آمین کہے گا۔ المُدَوَّنہ میں ہے:

قَالَ مَالِكٌ: وَيُخْفِي مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ آمِين وَلَا يَقُولُ الْإِمَامُ آمِين وَلَا بَاسَ لِلرَّجُلِ إِذَا صَلّٰى وَحْدَهُ أَنْ يَقُولَ آمِين۔

ترجمہ: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو لوگ امام کے پیچھے ہوں وہ آہستہ آمین کہیں۔ امام آمین نہ کہے اور کوئی تنہا نماز پڑھتا ہو تو آمین کہنے میں حرج نہیں۔ (المدونہ 167/1)

علامہ قرافی مالکی متوفی 684ھ علامہ باجی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

قَالَ البَاجِی: لَایَجْھَرُ بِہٖ، قَالَ: ھُوَالاَرْجَحُ لِاَنَّہٗ دُعَاءٌ وَالاَصْلُ فِی الدُّعَاءِ الْخُفیَۃُ لِقَولِہٖ تَعالیٰ اُدْعُوارَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْیَۃً ۔ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِی نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَخُفْیَۃً

ترجمہ: علامہ باجی مالکی نے فرمایا: (اگر امام آمین کہے جیسا کہ ایک قول ہے تو) بلند آواز سے آمین نہ کہے، کیوں کہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ آہستہ ہو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو۔ یہ بھی ارشاد ہے: اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور آہستہ یاد کرو۔ (الذخیرۃ للقرافی 223/2 باب خامس، سنن الصلاۃ)

فائدہ: ابن حبیب نے مطرّف اور ماجشون کے حوالے سے امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے۔ کیوں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسا ہی ہے۔ (النوادر والزیادات علی مافی المدونہ من غیرھا من الامھات للقیروانی المالکی 1/ 180)

علامہ ابوالولید سلیمان بن خلف باجی مالکی متوفی 494ھ نے تحریر فرمایا ہے: مصلی یا تو امام ہوگا یا مقتدی یا منفرد۔ اگر امام ہو تو آہستہ قرأت کرے گا یا آواز سے۔ اگر آہستہ قرأت کرے تو امام آمین آہستہ کہے گا اور آواز سے قرأت کرے تو اس سلسلے میں امام مالک سے مختلف قول منقول ہیں: مصریوں کی روایت کے مطابق امام آمین نہیں کہے گا اور یہی امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے۔ مطرف اور ماجشون کی روایت کے مطابق امام مالک کا قول یہ ہے کہ امام بھی آمین کہے گا۔ یہی امام شافعی کا قول ہے اور مدنیوں کی روایت کے مطابق جہری قرأت ہو تو بھی امام آمین کہے گا۔ میرے (علامہ باجی کے) نزدیک یہ قول امام مالک کا قدیم ہے اور یہ مستحب ومندوب پر محمول ہے۔ (المنتقی شرح المؤطا 162/1)

علامہ خرشی مالکی نے لکھا ہے:

وَكُلُّ مَن طُلِبَ مِنهُ التَّامِينُ اِمَامًا كَانَ اَوغَيرَهٗ يُستَحَبُّ لَهُ الاِسرَارُبِهٖ لِاَنَّهٗ دُعَاءٌ وَالاَصلُ فِيهِ الاِخفَاءُ۔

ترجمہ: جس سے بھی آمین کہنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی تو اس کے لئے آہستہ آمین کہنا مستحب ہے ،کیوں کہ یہ دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء(آہستہ کرنا) ہے۔(شرح مختصر خلیل للخرشی 1/ 282)

ابو محمد عبد الوہاب البغدادی المالکی متوفی 422ھ نے لکھا ہے:

وَالاِختِيَارُ اِخفَاءُ التَّامِينِ ۔ ترجمہ: آہستہ آمین کہنا پسندیدہ قول ہے۔ پھر یہ بھی لکھا: يُستَحَبُّ قَولُ المَامُومِ سِرًّا اَثرَختمِ فَاتِحَةِ اِمَامِهٖ آمين ۔امام کے فاتحہ کی قرأت کے بعد مقتدی آہستہ آمین کہے، یہ مستحب ہے۔(التاج والاکلیل لمختصر الخلیل 2/ 243)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جہری نماز میں مقتدی بھی بلند آواز سے آمین کہے گا۔امام شافعی کا یہی مذہب مشہور ومعروف ہے۔لیکن امام شافعی کی کتاب الاُم جلد 1 صفحہ 131 باب القرأۃ بعد ام القرآن کے عنوان کے تحت ان کا یہ قول منقول ہے:

فَاِذَافَرَغَ الاِمَامُ مِنْ قِرَأةِاُمِّ الْقُرآنِ قَالَ اٰمِين وَرَفَعَ بِهَاصَوتَهٗ لِيَقتَدِيَ بِهٖ مَنْ كَانَ خَلفَهُ فَاِذَاقَالَهَاقَالُواوَاَسمَعُوااَنفُسَهُم وَلَااُحِبُّ اَنْ يَجهَرُوابِهَافَاِنْ فَعَلُوافَلَاشَيْئَ عَلَيهِم وَاِنْ تَرَكَهَاالاِمَامُ قَالَهَامَنْ خَلفَهٗ وَاَسمَعَهُ لَعَلَّهٗ يَذكُرُفَيَقُولُهَاوَلَايَترُكُونَهَا لِتَركِهٖ كَمَالَوتَرَكَ التَّكبِيرَ وَالتَّسلِيمَ لَم يَكُنْ لَهُم تَركُهُ فَاِنْ لَم يَقُلهَاوَلَامَنْ خَلفَهُ فَلَااِعَادَةَ عَلَيهِم وَلَا سُجُودَ لِلسَّهوِ۔

ترجمہ: جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو تو امین کہے اور بلند آواز سے کہے، تا کہ

پیچھے والے اس کی پیروی کریں۔ جب امام کہے تو مقتدی کہیں۔ مقتدی اپنی امین کی آواز اپنے آپ کو سنائیں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ بلند آواز سے کہیں۔ اگر بلند آواز سے کہیں تو ان پر کچھ گناہ بھی نہیں۔ اگر امام آمین نہ کہے تو مقتدی زور سے آمین کہے تاکہ امام کو یاد آ جائے اور وہ بھی آمین کہے۔ امام کے چھوڑنے کی وجہ سے مقتدی نہ چھوڑیں۔ اگر امام نے نہیں کہا اور نہ پیچھے والوں نے کہا تو نماز کو نہ لوٹانا ہے اور نہ سجدہ سہو کرنا ہے۔

علامہ اسماعیل ابن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ نے اصحاب شوافع کا اختلاف بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے:

وَقَدِ اخْتَلَفَ اَصْحَابُنَا فِی الْجَهْرِ بِالتَّامِينِ لِلْمَامُومِ فِی الْجَهْرِيَّةِ وَحَاصِلُ الْخِلَافِ اَنَّ الْاِمَامَ اِنْ نَسِیَ التَّامِينَ جَهَرَ الْمَامُومُ بِهٖ قَوْلًا وَاحِدًا وَاِنْ اَمَّنَ الْاِمَامُ جَهْرًا فَالْجَدِيْدُ اَنَّهٗ لَايَجْهَرُ الْمَامُومُ وَهُوَ مَذْهَبُ اَبِی حَنِيفَةَ۔

ترجمہ: جہری نماز میں مقتدی کے آمین بالجہر کہنے میں ہمارے اصحاب (شوافع) کا اختلاف ہے۔ اختلاف کا ما حصل یہ ہے کہ امام اگر آمین کہنا بھول جائے تو مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، ایک قول کے مطابق اور اگر امام بلند آواز سے آمین کہے تو امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ مقتدی بلند آواز سے نہ کہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

پھر بلند آواز سے آمین نہ کہنے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لِاَنَّهٗ ذِكْرٌ مِنَ الْاَذْكَارِ فَلَايَجْهَرُ بِهٖ كَسَائِرِ اَذْكَارِ الصَّلَاةِ وَالْقَدِيمُ اَنَّهٗ يَجْهَرُ بِهٖ ۔

ترجمہ: مقتدی بلند آواز سے آمین نہیں کہے گا، کیوں کہ یہ ذکر ہے۔ تو نماز کے دوسرے اذکار کی طرح اس کو بھی بلند آواز سے نہ کہا جائے، اور امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ بلند آواز سے کہے۔ (تفسیر ابن کثیر 1/146)

علامہ بغوی شافعی جو آمین بالجہر کے قائلین میں ہیں، وہ لکھتے ہیں:

كُلُّ ذِكرٍ يَاتِي بِهٖ خَلفَ الاِمَامِ اَنْ يُسمِعَ نَفسَهٗ وَلَا يَغْلِبَ جَارَهٗ۔

ترجمہ: ذکر کے کلمات جو مقتدی امام کے پیچھے کہتا ہے، چاہئے کہ اتنی آواز سے کہے کہ خود سنے۔ اپنے قریب کے شخص کو خوب آواز سے نہ سنائے۔ (شرح السنہ 2/87)

آمین بھی ایک قسم کا ذکر ہے، لہذا اوراذکار کی طرح نماز میں اسے بھی آہستہ کہنا چاہئے۔

گزشتہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید کے مطابق مقتدی اتنی اونچی آواز سے آمین کہیں کہ خود سنیں۔ ان کے نزدیک خوب بلند آواز سے آمین کہنا پسندیدہ نہیں، اگرچہ کوئی بلند آواز سے کہے تو گناہ گار بھی نہیں ہوگا۔

امام شافعی کا ایک تیسرا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ مسجد اگر چھوٹی ہے تو مقتدی بلند آواز سے آمین نہ کہے اور بڑی ہے تو بلند آواز سے کہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی امام کی قرأت کو سن سکیں گے اور بڑی ہو تو نہ سن سکیں گے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام کی قرأت اگر مقتدی سن سکیں گے تو انہیں معلوم ہو سکے گا کہ امام نے غیر المغضوب علیهم و لا الضالین پڑھا، یا نہیں۔ جب معلوم ہو جائے گا کہ امام نے پڑھ لیا تو مقتدی آمین کہیں گے لہذا بلند آواز سے آمین کہنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر امام کی قرأت نہ سن سکیں گے تو مقتدی کو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ امام نے غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کہا، لہذا جب امام غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کہے تو مقتدی مکبر یا امام کے قریب کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہہ دیں تا کہ تمام مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ آمین کہنے کا وقت آ گیا ہے، اب آمین کہنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے قول مذکور کے مطابق مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین کہنا تعلیم یا اعلام کے طور پر ہے نہ کہ فی نفسہ

بلند آواز سے آمین کہنا مسنون ہے۔ چناں چہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَلَنَا قَولٌ آخرُ ثَالِثٌ: اِنَّهٗ اِنْ کَانَ المَسجِدُ صَغِیرًا لَم یَجهَرِ المَامُومُ لِاَنَّهُم یَسمَعُونَ قِرَأۃَ الِامَامِ وَاِنْ کَانَ کَبِیرًا اجهَرَ لِیَبلُغَ التَّامِینُ فِی اَرجَاءِ المَسجِدِ وَاللّٰه اَعلَمُ۔

ترجمہ: ہم شوافع کا ایک تیسرا قول ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو مقتدی آہستہ آمین کہیں، کیوں کہ وہ امام کی قرأت سن سکیں گے اور اگر مسجد بڑی ہو تو مسجد کے تمام مقتدیوں تک آمین پہنچانے کے لئے بلند آواز سے آمین کہیں۔ واللہ اعلم (ایضا)

قارئین کرام! آپ کو امام شافعی کا قول کتاب الام کے حوالے سے معلوم ہو گیا کہ اُن کے نزدیک بلند آواز سے آمین کہنا پسندیدہ نہیں۔ یہی اُن کا آخری قول ہے اور اصول افتا کے لحاظ سے امام کا آخری قول ہی معتبر ہوتا ہے، جیسا کہ خود علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

لَیسَ لِلمُفتِی وَلَا لِلعَامِلِ المُنتَسِبِ اِلٰی مَذهَبِ الشَّافِعِی رَحِمَهُ اللّٰهُ فِی مَسئَلَةِ القَولَینِ اَوِ الوَجهَینِ اَنْ یَعمَلَ بِمَاشَاءَ مِنهُمَا بِغَیرِ نَظرٍ بَلْ عَلَیهِ فِی القَولَینِ العَمَلُ بِآخِرِهِمَا اِنْ عَلِمَهُ وَاِلَّا فَبِالَّذِی رَجَّحَهُ الشَّافِعِیُّ۔

ترجمہ: کسی بھی شافعی المذہب مفتی یا عمل کرنے والے شخص کے لئے درست نہیں کہ کسی مسئلہ میں امام شافعی کے دو قولوں یا دو وجہوں میں سے جسے چاہے بغیر نظر وفکر کے اختیار کر لے، بلکہ اس کے لئے واجب ہے کہ دو قولوں میں سے آخری قول پر عمل کرے، اگر اسے آخری قول معلوم ہو، ورنہ جس قول کو امام شافعی نے راجح کہا ہے اس پر عمل کرے۔ (المجموع شرح المہذب 1/ 68)

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اِس اصول کے مطابق فتویٰ امام شافعی کے آخری قول پر ہونا چاہیئے تھا اور یہ کہنا چاہیئے تھا کہ امام شافعی کے نزدیک بلند آواز سے آمین

کہنا پسندیدہ نہیں، لیکن علامہ نووی شافعی نے اس مسئلے کو مستثنیات میں شمار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آمین بالجہر کا مسئلہ ہمارے اصحاب کے اُن مسائل میں ہے جن میں امام شافعی کے قول قدیم پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فَاِنَّ لَنَامَسَائِلَ اُخرَ صَحَّحَ الاَصحَابُ اَواَکثَرُھُم اَو کَثِیرٌ مِنھُم فِیھَاالقَدِیمُ۔ مِنھَا الجَھرُ بِالتَّامِینِ لِلمَامُومِ فِی صَلاۃٍ جَھرِیَّۃٍوَ القَدِیمُ اِستِحبَابُہٗ وَھُوَالصَحِیحُ عِندَ الاَصحَابِ۔

ترجمہ: ہمارے کچھ دوسرے مسائل ہیں، جن میں ہمارے اصحاب میں سے اکثر یا کئی ایک نے قول قدیم کو صحیح قرار دیا ہے۔ ان میں سے جہری نماز میں آمین بالجہر کا مسئلہ ہے۔ قول قدیم کے مطابق وہ مستحب ہے اور وہی صحیح ہے، ہمارے اصحاب کے نزدیک۔ (ایضا)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگرچہ امام شافعی کے قدیم قول کے مطابق بلند آواز سے آمین کہنا مستحب ہے لیکن آہستہ آمین کہنے کو انہوں نے یا کسی بھی امام مجتہد وفقیہ نے خلافِ سنت یا ناجائز نہیں کہا ہے۔ آہستہ آمین کہنے والے بھی متبع سنت و اہل حق ہیں۔ لیکن اہل سنت و جماعت سے علیٰحدہ فرقۂ وہابیہ واہل حدیث ہے جو بلند آواز سے آمین کہنے کو گویا فرض و واجب کہتا ہے اور آہستہ آمین کہنے والے مسلمانوں کو باطل پرست اور مخالفِ حدیث کہتا ہے۔ اللہ ایسے گمراہ گروں کو ہدایت دے۔

اہل حدیث وغیر مقلدین جو کسی امام کی تقلید کو شرک و بدعت کہتے ہیں، اُن کی ضد یہ ہے کہ مقتدی خوب بلند آواز سے آمین کہیں، جو ایسا نہیں کرتے انہیں غیر مقلدین مخالفِ سنت کہتے ہیں۔ وہابی غیر مقلدین کے حملے کی زد میں امام شافعی، امام احمد اور امام مالک بھی ہیں، کیوں کہ یہ حضرات بھی بلند آواز سے آمین کہنے کو واجب یا فرض نہیں کہتے جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں اور امام اعظم سے تو وہابیہ کو گویا ازلی بیر ہے۔

امام احمد بن حنبل کا موقف

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی وہی ہے جو امام شافعی کا ہے کہ امام ومقتدی بالجہر آمین کہیں گے۔ ابن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ تحریر فرماتے ہیں:

وَيُسَنُّ اَنْ يَجْهَرَ بِهِ الإِمَامُ وَالمَامُومُ فِيمَا يَجْهَرُ فِيهِ القِرأَةَ وَاِخفَاءُ هَا فِيمَا يُخْفِى فِيهِ وَقَالَ اَبُو حَنِيفَةَ وَ مَالِكٌ فِى اِحدَى الرِوَايَتَينِ عَنهُ يُسَنُّ اِخْفَاءُ هَا لِاَنَّهُ دُعَاءٌ فَاسُتُحِبَّ اِخفَاءُ هٗ كَالتَّشَهُّدِ ۔

ترجمہ: جہری قرأت والی نماز میں امام اور مقتدی بلند آواز سے آمین کہیں اور سری قرأت والی نماز میں آہستہ آمین کہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ آہستہ کہیں، کیوں کہ آمین دعا ہے لہذا اس کو آہستہ کہنا مستحب ہے، جیسا کہ تشہد آہستہ کہنا ہے (المغنی لابن قدامہ 352/1 باب التامین عند فراغ الفاتحہ فی الصلاۃ)

امام احمد بن حنبل کا یہی موقف الشرح الکبیر، الکافی، شرح الزرکشی وغیرہ کتب حنابلہ میں منقول ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کا موقف

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ مصلی امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد، ہر ایک کے لئے آمین کہنا سنت ہے اور سب کے لئے آہستہ کہنا سنت ہے۔

امام علاء الدین ابوبکر کاسانی حنفی متوفی 587ھ نے تحریر فرمایا ہے:

فَاِذَا فَرَغَ مِنَ الفَاتِحَةِ يَقُولُ اٰمِين اِمَامًا كَانَ اَوْ مُقْتَدِيًا اَوْ مُنفَرِدًا وَهٰذَا قَولُ عَامَّةِ العُلَمَاءِ ۔

ترجمہ: جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہو تو آمین کہے۔ خواہ امام ہو، مقتدی ہو یا منفرد۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ثُمَّ السُّنَّةُ فِيهِ الْمُخَافَتَةُ عِندَنَا۔ یعنی ہمارے نزدیک آہستہ کہنا سنت ہے۔(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع 207/1)

امام اعظم کا یہی موقف مبسوط السرخسی، المحیط البرہانی، البحر الرائق وغیرہ کتب احناف میں منقول ہے۔

تنبیہ: یہاں سنت سے مراد سنت غیر موکدّہ ہے جس پر کبھی مستحب کا بھی اطلاق ہوتا ہے جس طرح مستحب پر کبھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگرچہ سنت غیر موکدہ یعنی سنت زائدہ اور مستحب میں اصطلاح فقہاء کے اعتبار سے فرق ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

وَقَدْ يُطلَقُ عَلَيهِ اِسمُ السُّنَّةِ۔ کبھی مستحب پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔(الدر المختار مع ردالمحتار 1/ 123)

شامی نے مزید لکھا ہے:

وَاَمَّا الْمُسْتَحَبُّ الْمُرَادِفُ لِلنَّفْلِ وَالْمَنْدُوبِ فَهُوَ قَسِيمٌ لَهَا لَا قِسمٌ مِنهَا۔

ترجمہ: مستحب یعنی نفل ومندوب، سنت کی قسیم ہے نہ کہ سنت کی قسم۔(ایضا 1/ 108)

غیر مقلدین ووہابیہ کا موقف

اوپر امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا موقف بیان کیا گیا کہ دونوں حضرات کے نزدیک آہستہ آمین کہنا سنت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا جدید قول یہ ہے کہ آہستہ کہنا مستحب ہے اور قدیم قول جس کو شوافع مفتیٰ بہ کہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ آواز سے آمین کہنا سنت ہے اور امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی یہی ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔ اہل سنت وجماعت کے چار ائمہ مذاہب میں سے دو کا موقف ہے آمین بالجہر کا اور دو کا موقف ہے آمین بالسر کا، اور امام شافعی کے قول جدید کو لیا جائے تو تین کا موقف ہے کہ آہستہ آمین کہنا مستحب ہے۔

ان ائمہ دین میں مسئلہ مذکورہ کے تعلق سے نظریاتی اختلاف ضرور ہے لیکن کوئی امام دوسرے امام کے حق میں متشدد نہیں۔ کوئی بھی اپنے فریقِ مخالف کو مخالفِ سنت نہیں کہتا، گوکہ ہر ایک اپنے اپنے موقف کے ثبوت پہ دلائل بھی پیش کرتا ہے۔ لیکن فرقۂ اہل حدیث وغیر مقلدین، اہل سنت کے چاروں ائمہ سے ہٹ کر اپنا الگ مذہب بنائے ہوئے ہیں۔ غیر مقلدین ووہابیہ کا کہنا ہے کہ جو بھی زور سے آمین نہیں کہتا وہ صحیح حدیث کا منکر ہے، مخالفِ سنت ہے، بلکہ معاذ اللہ مالکی، حنفی ہونے کی وجہ سے بدعتی ومشرک ہے۔ وہابیہ کا یہ رویہ ایک قسم کی مذہبی دہشت گردی ہے جس سے آج پوری دنیا کے مسلمان پریشان ہیں۔

آہستہ آمین کہنے کا ثبوت

وہابی غیر مقلدین سیدھے سادے مسلمانوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنے کے ثبوت پر صحیح احادیث موجود نہیں ۔ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں لہذا ہم آہستہ آمین کہنے کے مسنون ہونے پر شرعی دلائل پیش کرتے ہیں، پھر شبہات کے جوابات پیش کریں گے۔ پہلے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر (1)

صحیح بخاری کے حوالے سے حضرت عطا تابعی کا یہ قول گزرا کہ امین دعا ہے۔ نیز سورہ یونس کی آیت 89 ہے ''قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا '' اے موسیٰ وہارون! تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ دعا فرماتے اور حضرت ہارون (علیہما السلام) آمین فرماتے تھے۔ دونوں کو اللہ نے دعا قرار دیا۔ پتہ چلا کہ آمین بھی دعا ہے۔ خود غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے'' خدا نے کہا: تمہارے دونوں بھائیوں کی دعا قبول ہوئی۔ (ترجمہ قرآن مع تفسیر ثنائی 261 طبع لاہور)

قرآن حکیم میں دعا کے یہ آداب بتائے گئے ہیں کہ گڑگڑا کراور آہستہ دعا کرو۔ چنانچہ سورہ اعراف آیت نمبر 55 ہے: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْن

ترجمہ: اپنے رب کو گڑگڑا کراور آہستہ پکارو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

الاعراف آیت 205 ہے: وَاذْكُر رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِيْن

ترجمہ: اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کراور خوف کے ساتھ یاد کرو اور نہ صبح وشام بہت اونچی آواز سے قرأت کرو نہ دعا اور غافلوں میں سے نہ ہو۔

قرآن حکیم کی ان آیات سے معلوم ہوا کہ دعا آہستہ کرنا افضل ہے۔ آمین بھی دعا ہے کیوں کہ اس کا معنی ہے: اے اللہ تو قبول فرما۔ لہذا آمین بھی آہستہ کہنا افضل ہے۔

شیخ محمد امین شنقیطی مالکی متوفی 1393ھ نے یہ لکھا ہے:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت زکریا علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف کی ہے کہ انہوں نے آہستہ دعا کی تھی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی، جب کہ انہوں نے آہستہ اپنے رب سے دعا کی۔ اس سے اللہ تعالیٰ تمہیں یہ تعلیم دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں خالق ارض وسما سے دعا کرو۔ اللہ تمہیں آسانی عطا کرے گا اور جب تم کو کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو یا کوئی نا پسندیدہ چیز لاحق ہو یا کوئی حادثہ پریشان کردے تو خالق ارض وسما سے دعا کرو اور تضرع و عاجزی کے ساتھ اس سے آہستہ دعا کرو کہ کوئی نہ سنے۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک ظاہر و پوشیدہ برابر ہیں۔ جو کچھ تم چھپاؤ یا دل میں کہو وہ بھی جانتا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى۔ وہ پوشیدہ اور پوشیدہ تر چیز کو بھی جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ایک حکمِ فقہی کا استنباط کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب امام و لا الضالین کہے تو لوگ بلند آواز سے آمین نہ کہیں، کیوں کہ آمین دعا ہے۔ اس کا معنی ہے اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ۔ اے اللہ قبول فرما۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اپنے رب سے گڑ گڑا کر اور آہستہ دعا کرو۔ یہ اخفاءِ دعا (آہستہ دعا کرنے) پر نص صریح ہے قرآن کی۔ لہذا وہ احادیث جو اظہارِ آمین کے تعلق سے وارد ہیں وہ اِس نص کی معارض نہیں بن سکتیں۔ (العذب النمیر 3/399)

پھر شیخ موصوف اس پر اصولی گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصولِ استنباط یہ ہے کہ خاص کو عام پر مقدم نہیں کیا جائے گا کیونکہ عام کی دلالت اپنے افراد پر قطعی ہوتی ہے۔ تو ہر فردِ عام، حکم عام میں داخل ہوگا گویا ہر فرد پر نصِ وارد ہے۔ لہذا خاص کو عام پر مقدم نہیں کیا جائے گا بلکہ دیکھا جائے گا دونوں میں سے کسی ایک کا متاخر ہونا معلوم ہو تو اس کے ذریعہ اول کا نسخ ہوگا اور اگر متاخر ہونا معلوم نہ ہو تو احتیاط کیا جائے گا۔ اسی قاعدے کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ زمین سے جو بھی پیداوار ہو چاہے کم ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ الْعُشْرُ (آسمان کے پانی نے جس زمین کو سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے) یہ حکم عام ہے اور حضور کا ارشاد لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ (پانچ وسق یعنی تقریباً ۱۲ کوئنٹل سے کم پر زکاۃ نہیں) یہ حکم خاص ہے۔ حضور کا ارشاد ”جو پیداوار آسمان کے پانی سے ہو اس میں عشر ہے“ عام ہے اور عام اپنے تمام افراد کو قطعی طور پر شامل ہوتا ہے جب تک کہ کسی فرد کے خروج پر کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ یہاں پر یہ معلوم نہیں کہ دونوں حکم میں سے کون سا مؤخر ہے۔ جب تاریخ معلوم نہیں تو احتیاطاً پانچ وسق

سے کم پر عشر کے وجوب کا قول کیا۔اسی طرح اِس آیت (وادعو ربکم تضرعا و خفیة) میں بھی امام ابو حنیفہ نے ویسا ہی کیا کہ آہستہ دعا کرنے سے متعلق حکم عام ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے اور جہرِ آمین سے متعلق احادیث آحاد وظنی ہیں ۔اگر جہرِ آمین والی احادیث کی تاریخ آیت مذکورہ کے نزول کی تاریخ سے موخر بھی ہو پھر بھی اُن احادیث سے جہرِ آمین کو آیت کے عموم سے خاص کرنا درست نہیں ۔کیوں کہ اخفاءِ دعا کے استحباب کا حکم نص قرآنی سے ہے اور جہرِ آمین کی حدیث خبر واحد ہے۔لہٰذا اخفاءِ دعا کے استحبابی حکم کے عموم سے جہرِ آمین کو اخبار آحاد سے خاص کرنا درست نہیں ۔(ملخصا: العذب النمیر 3/399)

دلیل نمبر (2)

صحیح احادیث میں بھی آہستہ آمین کہنے کا ثبوت موجود ہے۔ ذیل میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث: (ا) امام حاکم نے فرمایا:

اَخبَرَنَا اَبُوبَکرِ بنِ اِسحَاقَ الفَقِیہُ وَاَبُوعَبدِاللّٰہِ الصَفّارُ الزَّاھِدُ وَعَلِیُّ بُنُ حَمُشَاذَ العَدلُ قَالُوا: ثَنَااِسمَاعِیلُ بُنُ اِسحَاقَ القَاضِی ثَنَاسُلَیمَانُ بُنُ حَربٍ وَاَبُوالوَلِیدِ قَالَا: ثَنَاشُعبَةُ عَن سَلَمَةَ بنِ کُھَیلٍ قَالَ: سَمِعتُ حُجرًااَبَاالعَنبَسِ یُحَدِّثُ عَن عَلقَمَةَ بنِ وَائِلٍ عَن اَبِیہِ اَنَّہُ صَلّٰی مَعَ النَّبِی ﷺ ،حِینَ قَالَ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّالِّینَ قَالَ اٰمِین یَخفِضُ بِھَا صَوتَہٗ۔

ترجمہ: ہمیں خبر دی ابو بکر بن اسحاق فقیہ، ابو عبداللہ الصفار الزاھد اور علی بن حمشاذ عدل نے، سب نے کہا: ہم سے حدیث بیان کی اسماعیل بن اسحاق قاضی نے۔ انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی سلیمان بن حرب اور ابوالولید نے۔ دونوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی

شعبہ نے سلمہ بن کہیل سے۔انہوں نے کہا میں نے حُجر ابوالعنبس سے سنا،علقمہ بن وائل سے حدیث بیان کرتے ہوئے۔علقمہ نے اپنے والد حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔جب آنحضرت ﷺ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہا تو پست آواز (ہلکی آواز) میں آمین کہی۔امام حاکم نے اس حدیث کے تعلق سے فرمایا: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلىٰ شَرطِ الشَّيخَينِ وَلَمْ يُخرِجَاهُ ۔ترجمہ: یہ حدیث شرط بخاری ومسلم پر صحیح ہے اور بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔(المستدرک علی الصحیحین 2/253 کتاب قرأۃ النبی ﷺ)

حدیث مذکور کے تعلق سے علامہ ذہبی نے اپنی تعلیقات میں فرمایا: عَلىٰ شَرطِ البُخَارِي وَمُسْلِمٍ 2193۔یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔

حدیث: (۲) امام دارقطنی نے فرمایا:

حَدَّثَنَا يَحيىٰ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَاعِدٍ ثَنَا اَبُو الاَشعَثِ ثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيعٍ ثَنَا شُعبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيلٍ عَنْ حُجرٍ اَبِي العَنبَسِ عَنْ عَلقَمَةَ ثَنَا وَائِلٌ اَوْ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجرٍ قَالَ: صَلَّيتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعْتُهُ حِينَ قَالَ: غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: آمِين وَاَخفىٰ بِهَا صَوتَهٗ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن محمد بن صاعد نے،انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوالاشعث نے،انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی زُریع نے،انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے سلمہ بن کہیل سے،انہوں نے حُجر ابوالعنبس سے،انہوں نے علقمہ سے،انہوں نے کہا: ہم سے حدیث بیان کی وائل نے یا کہا وائل بن حجر سے مروی ہے ،حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو

میں نے سنا: جب آپ نے غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہا تو آہستہ آمین کہی۔
(سنن الدارقطنی 2/128 باب التامین فی الصلاۃ حدیث 1270)

تنبیہ: اس حدیث پر بعض ناقدین حدیث کے جرح کا جواب ہم شبہات واعتراضات کے ضمن میں پیش کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث: (۳) امام ابوداؤد نے فرمایا:

حَدَّثَنَا ابنُ المُثَنّٰی حَدَّثَنَا عَبدُالاَعلیٰ حَدَّثَنَا سَعِیدٌ بِھٰذَا قَالَ عَن قَتَادَةَ عَنِ الحَسَنِ عَن سَمُرَةَ قَالَ: سَکتَتَانِ حَفِظتُھُمَا عَن رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ فِیہِ: قَالَ سَعِیدٌ قُلنَا لِقَتَادَةَ مَا ھَاتَانِ السَّکتَتَانِ قَالَ: اِذَا دَخَلَ فِی صَلَاتِہٖ وَاِذَا فَرَغَ مِنَ القِرَأۃِ ثُمَّ قَالَ ھٰذَا اِذَا قَالَ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّالِّینَ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی محمد بن المثنی نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عبدالاعلیٰ نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی سعید نے، انہوں نے قتادہ کے حوالے سے کہا، انہوں نے حسن بصری سے، انہوں نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو سکتہ (نماز میں دو وقفہ) کو محفوظ رکھا ہے۔ سعید نے کہا کہ میں نے قتادہ سے پوچھا وہ دو سکتہ کیا ہیں؟ تو انہوں نے کہا: ایک سکتہ وہ ہوتا تھا جب آپ نماز میں داخل ہوجاتے تھے اور دوسرا سکتہ وہ ہوتا جب قرأت سے فارغ ہوتے۔ پھر فرمایا جب غیر المغضوب علیھم و لاالضالین کہتے۔ (سنن ابی داؤد باب السکتۃ عندالافتتاح حدیث 780)

تخریج حدیث: اس حدیث کو ذکر کیا ہے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں، ترمذی نے اپنی جامع میں، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، دارقطنی نے اپنی سنن میں، دارمی نے اپنی سنن میں،

ابن حبان نے اپنی صحیح میں، امام احمد نے اپنی مسند میں، بزار نے اپنی مسند میں، ابن عساکر نے اپنی معجم میں، بیہقی نے اپنی سنن میں، بخاری نے قرأت خلف الامام میں، بغوی نے شرح السنہ میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں، عبدالرزاق نے مصنف میں۔

حکمِ حدیث:

☆ امام ترمذی نے فرمایا: حدیثُ سَمُرَةَ حَسَنٌ۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔

☆ ابن عبدالبر نے فرمایا: وَھٰذَاالحَدِیثُ مَشھُورٌ جِدًّا ۔ یہ حدیث بہت مشہور ہے۔

☆ مروزی نے بھی ایسا ہی کہا۔ (جامع بیان العلم وفضلہ 2/1098)

☆ حاکم نے اس کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی تائید کی ہے۔ (تعلیقات ذہبی علی المستدرک)

حاکم نے کہا: وَحَدِیثُ سَمُرَةَ لَایَتَوَھَّمُ مُتَوَھِّمٌ اَنَّ الحَسَنَ لَم یَسمَع مِن سَمُرَةَ فَاِنَّهُ قَد سَمِعَ مِنهُ وَلَهٗ شَاهِدٌ بِاِسنَادٍ صَحِیحٍ (ایضا)

ترجمہ: حدیث سمرہ کے تعلق سے کوئی یہ وہم نہ کرے کہ حسن بصری نے سمرہ سے نہیں سنا ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اُن سے سنا ہے اور اس حدیث کی صحیح سند کے ساتھ ایک شاہد بھی ہے۔

استدلال: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد تھوڑا وقفہ کرتے پھر قرأت شروع فرماتے، پھر غیر المغضوب علیھم و لاالضالین کہنے کے بعد تھوڑا وقفہ کرتے تھے۔

تکبیر تحریمہ کے بعد والا وقفہ ثنا سبحانک اللھم (عموما فرض نماز میں، اور تہجد ونوافل میں اللھم بَاعِدْبَیْنِی یا اَللّٰھُمَّ اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ) کے لئے ہوتا تھا۔ جس کی صراحت

خود حدیث میں ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إذَا كَبَّرَ فِي الصَّلاةِ سَكَتَ هُنَيَّةً قَبلَ انْ يَقْرَءَ فَقُلتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِاَبِي انتَ وَاُمِّي اَرَأَيتَ سُكُوتَكَ بَينَ التَّكبِيرِ وَالقِرَأةِمَاتقُولُ؟قَالَ اَقُولُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْبَينِي وَبَينَ خَطَايَايَ كَمَابَاعَدتَ بَينَ المَشْرِقِ وَالمَغرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي خَطَايَايَ كَمَايُنَقَّى الثَوبُ الاَبْيَضُ مِنَ الدَنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِي من خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَ المَاءِ وَالبَرْدِ۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی 3/90)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہتے تو قرأت شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر خاموش رہتے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے باپ ماں قربان ہوں، مجھے بتائیں کہ آپ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں یہ کہتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ (الیٰ اخرہ) اے اللہ میرے اور میری لغزشوں کے درمیان دوری پیدا فرما دے، جیسا کہ تو نے آسمان اور زمین کے درمیان دوری پیدا کی ہے۔ اے اللہ مجھے میری لغزشوں سے صاف ستھرا کر دے، جیسا کہ سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ اے اللہ میری لغزشوں کو برف کے پانی سے اور اولے کے پانی سے دھو دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ کے بعد والا وقفہ ثنا و ذِکر کے لئے ہوتا تھا۔ امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

وَالمُرَادُ بِالسَّكْتَةِ هَاهُنَاالسُّكُوتُ عَنِ الجهرِلَاعَنْ مُطْلَقِ القَولِ اَوْعَنْ قِرَأةِ القُرآنِ لَاعَنِ الذِّكرِ۔

ترجمہ: سکوت سے مراد آہستہ کہنا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ کچھ نہیں کہتے تھے یا معنی یہ ہے کہ قرآن کی قرأت نہیں کرتے تھے یہ نہیں کہ ذکر کے کلمات نہیں کہتے تھے۔ (احکام الاحکام 1/230)

اب سوال یہ ہے کہ دوسرا وقفہ جو و لا الضالین کے بعد ہوتا تھا وہ کس چیز کے لئے ہوتا تھا؟ کیا اس میں حضور ﷺ خاموش کھڑے رہتے تھے یا کچھ پڑھتے تھے؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ خاموش کھڑے رہتے تھے تا کہ اتنی دیر میں مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ کی قرأت کرلے۔ یہ خیال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی ہے، کیوں کہ امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور شعبہ نے موسی بن ابی عائشہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَاِنَّ قِرَأَةَ الِامَامِ لَهُ قِرَأَةٌ ۔ جس کا امام ہو تو بلاشبہ امام کی قرأت اُس کی قرأت ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی 2/ 227 مسند ابی حنیفہ بروایۃ الحارثی) علاوہ ازیں یہ اُس حدیث کے بھی خلاف ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ: اِذَاقَرَأَالِاِمَامُ بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَاقْرَأبِهَاوَاسْبِقْهُ (القرأۃ خلف الامام للبخاری 1/ 56)
ترجمہ: جب امام فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو اور امام سے پہلے پڑھ لو۔ تو یہ قائلین قراءت خلف الامام کے خلاف بھی ہوا۔

بعض کا یہ کہنا ہے کہ و لاالضالین کے بعد کا جو وقفہ ہوتا تھا وہ سانس لینے کے لئے ہوتا تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس کے بعد دوسری سورہ کی قرأت کے لئے فاصلہ کے طور پر وقفہ ہوتا تھا۔

احناف کا یہ کہنا ہے کہ و لاالضالین کے بعد جو وقفہ ہوتا تھا اس میں آپ ﷺ آہستہ آمین کہتے تھے۔ دوسرے وقفہ میں آہستہ آمین کہنے کے بعد بھی سانس لیا جاسکتا ہے اور دوسری سورۃ کی قرأت کے لئے یہ فاصلہ بھی ہوسکتا ہے۔ سانس لینے اور فاصلہ پیدا کرنے کا مقصد آہستہ آمین کہنے کے بعد بھی پورا ہو جاتا ہے۔ لہذا آہستہ آمین کہنے کے لئے وقفہ کرنا

اور سانس لینے کے لئے یا دوسری سورت سے فصل وجدائی کے لئے وقفہ کرنے میں کوئی تعارض نہیں ۔ ظاہر یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد جو سکتہ ہوتا تھا اس میں حضورﷺ آہستہ ثنا پڑھتے تھے اور ولا الضالین کے بعد جو سکتہ فرماتے تھے اس میں آہستہ آمین کہتے تھے اور سانس بھی لیتے تھے، تاکہ دوسری سورہ کی قرأت شروع کی جائے ۔ چنانچہ شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں:

قُلتُ:اَمَّا السَّکُتَةُ الاُوْلیٰ فَلِاَجلِ دُعَاءِ الِافُتِتَاحِ وَفِیهِ دَلِیلٌ لِلجُمهُورِوَاَمَّا السَّکُتَةُ الثَانِیَّةُ فَلِاَنُ یَقُولَ آمِین بَعدَالفَرَاغِ مِنَ الفَاتِحَةِ وَفِیهِ دَلِیلٌ لِاَصحَابِنَا ۔

ترجمہ: پہلا سکتہ دعائے افتتاح (ثنا) کے لئے ہے ۔ اس میں جمہور کی دلیل ہے اور دوسرا سکتہ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہنے کے لئے ہے ۔ اس میں ہمارے اصحاب (احناف) کے لئے دلیل ہے ۔ (شرح ابی داؤد 3/ 392)

حدیث: (۴) امام نسائی نے فرمایا:

اَخبَرَنَااِسمَاعِیلُ بُنُ مَسعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَایَزِیدُ قَالَ حَدَّثَنِی مَعُمَرٌعَنِ الزُّهرِی عَنُ سَعِیدِ بُنِ المُسَیِّبِ عَنُ اَبِی هُرَیرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُولُ اللّٰهِﷺ اِذَاقَالَ الاِمَامُ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیهِمُ وَلَا الضَّالِّینَ فَقُوُلُواآمِین فَاِنَّ المَلَائِکَةَ تَقُولُ آمِین وَاِنَّ الاِمَامَ یَقُولُ آمِین فَمَنُ وَافَقَ تَامِینُهٗ تَامِینَ المَلَائِکَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنُ ذَنبِهٖ ۔

ترجمہ: ہمیں خبر دی اسماعیل بن مسعود نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یزید نے انہوں نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی معمر نے زہری سے، انہوں نے سعید ابن المسیب سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیهم و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو، کیوں کہ

ملائکہ آمین کہتے ہیں اور امام آمین کہتا ہے، تو جس کی آمین ملائکہ کی آمین کی موافق ہو گی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی 1/ 478)

حدیث میں یہ جملہ مذکور ہے: تم آمین کہو کیوں کہ فرشتے آمین کہتے ہیں اور امام آمین کہتا ہے۔ اگر امام بلند آواز سے آمین کہتا تو حضور ﷺ کو یہ جملہ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ تھی ''کیوں کہ امام آمین کہتا ہے'' اگر امام و مقتدی کو بلند آواز سے آمین کہنے کا حکم ہوتا تو آپ ﷺ صرف اتنا فرماتے کہ جب امام غیر المغضوب علیهم و لا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''امام آمین کہتا ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ امام کو آہستہ آمین کہنا چاہئے۔

حدیث: (۵) امام طبرانی نے فرمایا:

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ الْمُثَنّٰی ثَنَا اَبُو الْوَلِیدِ ثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ کُهَیلٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَنْبَسٍ یُحَدِّثُ عَنْ وَائِلٍ الْحَضْرَمِی اَنَّهٗ صَلّٰی خَلْفَ النَّبِی ﷺ فَلَمَّا قَالَ: وَلَا الضَّالِّینَ قَالَ آمِینَ فَاَخْفٰی بِهَا صَوتَهٗ وَوَضَعَ یَدَهٗ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِهِ الْیُسْریٰ وَسَلَّمَ عَنْ یَمِینِهٖ وَعَنْ یَسَارِهٖ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی معاذ بن مثنی نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوالولید نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے، انہوں نے سلمہ بن کہیل سے، انہوں نے کہا: میں نے ابوعنبس سے سنا، وہ وائل حضرمی سے حدیث بیان کرتے ہیں، انہوں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپ نے ولا الضالین کہا تو آہستہ آمین کہا اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پہ رکھا اور اپنے دائیں اور بائیں سلام پھیرا۔(المعجم الکبیر للطبرانی 22/ 43)

حدیث: (۶) امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جعفر حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ کُهَیلٍ عَنْ حُجْرٍ اَبِی الْعَنْبَسِ قَالَ:

سَمِعتُ عَلقَمَۃَ یُحَدِّثُ عَن وَائِلٍ اَو سَمِعَہٗ حُجرٌ عَن وَائِلٍ قَالَ: صَلّٰی بِنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَلَمَّا قَرَأَ غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیھِم وَلَا الضَّالِّینَ قَالَ آمِین وَاَخفَی بِھَا صَوتَہٗ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی محمد بن جعفر نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی شعبہ نے، انہوں نے سلمہ بن کہیل سے، انہوں نے حجر ابوالعنبس سے، انہوں نے کہا میں نے علقمہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے تھے وائل سے یا حجر نے وائل سے سنا، انہوں کہا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی تو جب آپ نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی قرأت کی تو کہا آمین اور آہستہ کہا۔ (مسند احمد 31/146)

دلیل (3) آثار صحابہ سے آہستہ آمین کہنے کا ثبوت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آہستہ آمین کہتے تھے

صحابۂ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عظیم فقیہ مجتہد تھے۔ آپ کے اور حضرت علی کے علم واجتہاد کا اندازہ حضرت مسروق کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے: اِنتَھٰی عِلمُ الصَّحَابَۃِ اِلٰی عَلِی وَابنِ مَسعُودٍ (رضی اللہ عنہما) صحابہ کا علم حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما تک منتہی ہے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی 2/205)

دونوں حضرات بلند آواز سے آمین نہیں کہتے تھے۔ چنانچہ امام طبرانی نے یہ حدیث تخریج کی ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِاللّٰہِ الحَضرَمِی ثَنَا اَحمَدُ بنُ یُونَسَ ثَنَا اَبُوبَکرِ بنِ عَیَّاشٍ عَن اَبِی سَعدِ البَقَّالِ عَن اَبِی وَائِلٍ قَالَ: کَانَ عَلِی وَابنُ مَسعُودٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُمَا لَا یَجھَرَانِ بِبِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا آمِین۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ الحضرمی نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی احمد بن یونس نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوبکر بن عیاش نے ابوسعد بقال

سے، انہوں نے ابووائل (شقیق) سے، انہوں نے فرمایا: حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی 9/262 حدیث 9304)

فائدہ: ابوسعد البقال کی وجہ سے بعض نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ابوسعد البقال تابعی صدوق ثقہ تھے۔ اُن سے امام بخاری نے الادب المفرد میں اور ترمذی وابن ماجہ نے حدیث تخریج کی ہے۔ علامہ ذہبی نے ان کے تعلق سے یہ لکھا ہے:

اَبُو سَعدٍ البَقَّالُ تَابَعِيٌّ مَشهُورٌ حَسَنُ الحَدِيثِ ضَعَّفَهُ اِبنُ مَعِينٍ ۔

ترجمہ: ابوسعد البقال مشہور تابعی حسن الحدیث ہیں۔ انہیں ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آہستہ آمین کہتے تھے

دوسرے خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اور اجتہادی رتبہ صحابۂ کرام کے درمیان اظہر من الشمس ہے۔ آپ کی شان میں حضور ﷺ کا فرمان ہے: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی زور سے آمین نہیں کہتے تھے۔ چنانچہ امام ابوجعفر احمد بن الطحاوی متوفی 321ھ نے یہ حدیث تخریج کی ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَیمَانُ بنُ شُعَیبٍ الکَیسَانِی قَالَ: ثَنَا عَلِیُّ بنُ مَعبَدٍ قَالَ: ثَنَا اَبُو بَکرِ بنِ عَیَّاشٍ عَن اَبِی سَعدٍ عَن اَبِی وَائِلٍ قَالَ: کَانَ عُمَرُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہ عَنهُمَا لَا یَجهَرَانِ بِبِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَلَا بِالتَّعَوُّذِ وَلَا بِالتَّامِینِ ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب کیسانی نے، انہوں نے فرمایا: ہم سے حدیث بیان کی علی بن معبد نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابوبکر بن عیاش نے

ابو سعد سے، انہوں نے ابوائل سے، ابو وائل نے فرمایا: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ اور اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار 1 / 203)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آہستہ آمین کہتے تھے

چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب سے کتبِ احادیث بھری ہوئی ہیں۔ صحابۂ کرام میں آپ کا فقہی اجتہاد مثالی تھا۔ آپ بھی آمین آہستہ کہتے تھے۔ چنانچہ طبرانی نے تخریج کی ہے:

عَنْ اَبِی وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عَلِیٌّ وَابْنُ مَسْعُودٍ لَایَجهَرَانِ بِبِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَلَا التَعَوُّذِ وَلَا آمِیْن ۔

ترجمہ: حضرت ابوائل سے مروی ہے: انہوں نے فرمایا: حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔ (حوالہ وسند پچھلے صفحات میں ملاحظہ کیجئے)

چند کوفی صحابۂ کرام

اہل کوفہ آمین بالسر کے قائل تھے۔ ان میں صحابہ وتابعین بھی تھے۔ کچھ صحابۂ کرام کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اسماء بن خارجہ ابوحسان الکوفی م60-65ھ

۲۔ الاسود بن بلال المحاربی ابوسلام الکوفی م84ھ

۳۔ سیان الکوفی

۴۔ نزال بن سبرہ الکوفی۔ (بعض نے انہیں طبقہ اولیٰ کے تابعین میں شمار کیا ہے)

۵۔ یزید بن تحنس الکوفی۔ (ابن حجر عسقلانی نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے)

٦۔ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ السوائی الکوفی م 74ھ

٧۔طارق بن شہاب الاحمسی الکوفی م 83ھ (زیادہ تر روایت حضرت ابن مسعود اور حضرت علی وحضرت عمر سے لی ہیں)

٨۔ہانی بن یزید بن نہیک الکوفی۔ (ان کے بیٹے شریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کبارِ اصحاب میں تھے)

٩۔جابر بن سمرہ الکوفی م 70ھ

١٠۔سمرہ بن جنادہ السوائی والدِ حضرت جابر رضی اللہ عنہما۔

١١۔خباب ابن الارت الکوفی م 37ھ۔ حضرت عمر کے دور خلافت میں کوفہ میں وفات پائی حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

١٢۔حضرت ابوقتادہ انصاری۔ 58ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

١٣۔ضرار بن الازور۔ کوفہ میں سکونت پذیر تھے۔ وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (معجم الصحابہ للبغوی 3/395)

١٤۔عبداللہ بن علقمہ م 87ھ۔ کوفہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔ (الاعلام للزرکلی 4/104)

١٥۔عدی بن عمیرہ م 40ھ۔ (ایضا)

١٦۔زید بن خالد الجہنی م 80ھ۔ مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔ بعض روایات کے مطابق وہیں وفات ہوئی۔ (تاریخ الاسلام للذہبی 2/814)

١٧۔سمرہ بن جندب: حضرت معاویہ کے دور میں کوفہ میں وفات ہوئی۔ (التعدیل والتجریح 3/1149)

۱۸۔عبداللہ بن ابی اوفیٰ: کوفہ میں 86ھ یا 88ھ میں وفات ہوئی۔(سیر اعلام 3/430)

۱۹۔عبداللہ بن عتبہ بن مسعود: کوفہ کے عظیم محدث و مفتی تھے 74ھ میں وفات ہوئی۔ (الکاشف 1/572)

۲۰۔عمرو بن حریث المخز ومی الکوفی۔م 85ھ یا 98ھ: حضرت ابوبکر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایات لی ہیں۔(سیر اعلام 3/418)

۲۱۔قرظہ بن کعب انصاری الخزرزی م 40ھ: کوفہ میں وفات ہوئی۔حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔(تاریخ الاسلام للذہبی 2/378)

۲۲۔خالد بن عُرفُطہ العذری: کوفہ میں 60ھ میں وفات ہوئی (ایضا)

۲۳۔عبداللہ بن ربیعہ بن فرقد اسلمی: کوفہ میں 90ھ میں وفات ہوئی۔حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایات لی ہیں۔(تاریخ الاسلام 2/955)

۲۴۔سہل بن حنیف: کوفہ میں 88ھ میں وفات ہوئی۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔(تہذیب الاسماء واللغات 1/238)

۲۵۔ابوبکر بن صعصعہ بن صوحان الکوفی: ابن عبدالبر نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔کوفہ میں دور امیر معاویہ میں وفات پائی۔عامر شعبی جو آمین بالسر کے قائل تھے انہوں نے کہا کہ میں اُن سے خطبہ یاد کیا کرتا تھا۔(تہذیب التہذیب 4/423)

کوفہ کے خاتم المحد ثین ابوالغنائم الکوفی نے کہا ہے کہ کوفہ میں تین سو تیرہ صحابۂ کرام کی وفات ہوئی جن کی قبریں معلوم نہیں۔(الوافی بالوفیات 4/105)

قارئین! انصاف سے بتائیں کہ اہل کوفہ میں اتنے کثیر صحابۂ کرام تھے، پھر بھی یہ کہنا کہ آمین بالسر کے مسئلے میں اہل کوفہ جمہور کے خلاف ہیں، اگر صحیح ہو تو ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں

کہ اگر اتنے کثیر کوفی صحابہ کے عمل کو جمہور کا عمل نہ کہا جائے تو جمہور آخر ہے کس چڑیا کا نام؟

دلیل (4) آثار تابعین سے آہستہ آمین کہنے کا ثبوت

☆ حضرت ابراہیم نخعی تابعی متوفی 194ھ جن کے تعلق سے علامہ ذہبی نے یہ لکھا ہے:

وَکَانَ بَصِیراً بِعِلمِ اِبنِ مَسعُودٍ وَاسِعَ الرِوَایَۃِ، فَقِیہَ النَّفُسِ، کَبِیرَ الشَّانِ، کَثِیرَ المَحَاسِنِ۔

ابراہیم نخعی، علومِ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں بہت زیادہ بصیرت رکھنے والے، کثیر الروایۃ، فقیہ النفس، عظیم الشان اور کثیر خوبیوں کے مالک تھے۔ (سیر اعلام النبلاء 4/521)

اُن کی روایت کو محدث ابن ابی شیبہ نے اِس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

حَدَّثَنَا اَبُو بَکرٍ قَالَ: ثَنَا وَکِیعٌ عَن اِبنِ اَبِی لَیلیٰ عَنِ الحَکَمِ عَنُ اِبرَاہِیمَ قَالَ: اَرُبَعٌ مَالَا یَجھَرُ بِھِنَّ الاِمَامُ بِسمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرَّحِیمِ وَالاِستِعَاذَۃُ وَآمِین وَرَبَّنَالَکَ الحَمدُ۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی ابوبکر نے، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی وکیع نے، انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے حکم سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے۔ انہوں نے فرمایا: چار چیزوں کو امام زور سے نہیں کہے گا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، آمین اور ربنا لک الحمد۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 2/267)

☆ حضرت امام ابوحنیفہ متوفی 150ھ جن کا تابعی ہونا مسلم ہے اور جن کا سماع حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، ان کا موقف بھی یہی ہے کہ بلند آواز سے آمین نہیں کہیں گے۔ (موطا امام محمد 1/65)

☆ حضرت عامر بن شراحبیل کوفی متوفیٰ 100ھ جلیل القدر تابعی تھے۔ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ انہوں نے 50 سے زائد صحابۂ کرام سے احادیث سنی تھیں۔ وہ بھی آمین آہستہ کہنے کے قائل تھے۔ علامہ ذہبی نے ان کے تعلق سے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علی کے

پیچھے نماز پڑھی تھی۔(سیر اعلام النبلاء 5/171)

☆ابراہیم تیمی متوفی 110ھ،آپ بھی تابعی اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔آمین آہستہ کہا کرتے تھے۔چناں چہ علامہ ترکمانی متوفی 750ھ نے محمد ابن جریر طبری متوفی 310ھ کا یہ قول نقل کیا ہے:

وَرُوِیَ عَنِ النَخَعِی وَالشَّعبِی وَاِبرَاھِیمَ التَّیمِی کَانَوا یُخفُونَ بِآمِیْن۔

ترجمہ: مروی ہے کہ ابراہیم نخعی ، عامر شعبی اور ابراہیم تیمی آہستہ آمین کہا کرتے تھے۔ (الجوہر النقی 2/58)

چند کوفی تابعین

علامہ ابن حجر عسقلانی اور دار قطنی وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ آمین بالجہر جمہور کا موقف ہے۔ اس میں اہل کوفہ متفرد ہیں۔اہل کوفہ سے جو لوگ صرف امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کو مراد لیتے ہیں شاید وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ حضرات آمین کے مسئلے میں جمہور سے الگ رائے رکھتے ہیں،لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل کوفہ صرف امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب نہیں۔ان میں سینکڑوں صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی شامل ہیں۔آپ نے ماقبل میں کوفی صحابہ کرام کی ایک مختصر فہرست ملاحظہ فرمالی،اب آیئے کوفی تابعین کی بھی ایک فہرست ملاحظہ فرمالیں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آمین بالسر کے قائلین اہل کوفہ میں صرف امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب نہیں بلکہ صحابہ کرام وتابعین کی ایک بہت بڑی تعداد بھی ہے۔اس فہرست کو دیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا کہ اس مسئلے میں اہل کوفہ جمہور سے الگ ہیں، میں سمجھتا ہوں جمہور کا کوئی جدید معنیٰ گڑھنے کے مترادف ہے۔

۱۔اوس بن ضمعج الکوفی الحضرمی م 74ھ۔ ۲۔بلال بن یحیٰ العبسی الکوفی۔

۳۔حجر بن عنبس الکوفی م ۹۰ھ ۴۔ربعی بن حراش الکوفی م 100ھ

۵۔شبر بن علقمہ العبدی الکوفی۔ ۶۔شداد بن ازمع الکوفی۔

۷۔عباد ابن حبیش الکوفی۔ ۸۔عبداللہ بن عمیرہ الکوفی۔

۹۔ابوعمارہ عبدخیر بن یزید الکوفی۔ ۱۰۔علقمہ بن قیس الکوفی م 62ھ۔

۱۱۔عامر بن شرحبیل الکوفی م 63ھ۔ ۱۲۔قبیصہ بن جابر ابوالعلاء اسدی کوفی 59ھ۔

۱۳۔قابوس ابن المخارق الکوفی۔ ۱۴۔معاویہ بن سوید الکوفی۔(ابویعلیٰ،حسن بن سفیان،بغوی اور ابن السکن نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے)

۱۵۔ہزیل بن شرحبیل الکوفی۔ ۱۶۔یزید بن شریک الکوفی۔

۱۷۔زاذان ابوعمر الکندی الکوفی۔ ۱۸۔شقیق بن سلمہ الکوفی۔

۱۹۔عبداللہ بن ابی السفر الکوفی۔ ۲۰۔حبیب بن ابی ثابت الکوفی 112ھ۔

۲۱۔سالم بن ابی الجعدم 97ھ۔ ۲۲۔عدی بن ثابت انصاری کوفی 116ھ۔

۲۳۔معرف بن واصل السعدی الکوفی 101ھ۔

۲۴۔حارثہ بن مضرب العبدی الکوفی۔ ۲۵۔ابورزین مسعود بن مالک الکوفی 100ھ۔

۲۶۔سعید بن علاقہ ابوفاختہ الکوفی 90ھ۔ ۲۷۔مغیرہ بن مقسم الضبی الکوفی 136ھ۔

۲۸۔سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزی الکوفی۔ ۲۹۔مسیّب بن نجبہ الکوفی 65ھ۔

۳۰۔العیزار بن حریث الکوفی م 110ھ۔

۳۱۔عبدالرحمٰن بن عابس الکوفی م 120ھ: شعبہ،سفیان ثوری،حجاج بن ارطاۃ وغیرہم سے روایات لی ہیں۔ان کے والد عابس کوفی بھی کبار تابعین میں تھے۔حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما سے روایات لی ہیں۔

۳۲۔سلیمان اعمش الکوفی 147ھ: ابراہیم نخعی، عامر شعبی وغیرہما سے روایات لی ہیں۔

۳۳۔واصل بن حبان الاسدی الکوفی 120ھ۔

۳۴۔سعید بن جبیر الکوفی 95ھ۔

جن کوفی صحابہ اور تابعین کے نام ذکر کیئے گئے ان میں تقریبا سب صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ یہ سب اہل کوفہ تھے اور اہل کوفہ آمین بالسر کے قائل تھے۔

امین بالسر پر اعتراضات وجوابات

اعتراض:(1) صحیح ابن خزیمہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِذَا اَمَّنَ الاِمَامُ فَاَمِّنُوا۔ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔(صحیح ابن خزیمہ حدیث 570)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی زور سے آمین کہیں گے ، کیوں کہ مقتدیوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ امام اگر زور سے آمین نہیں کہے گا تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے آمین کہی یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ امام زور سے آمین کہے گا۔ جیسا کہ اگر کہا جائے کہ ''فلاں جب ایسا کہے تو تم بھی ویسا ہی کہو'' تو یہ ضروری ہے کہ فلاں شخص وہ بات زور سے کہے ورنہ مخاطب کے لئے ویسی بات کہنا ممکن نہ ہوگا۔ حدیث میں کہا گیا کہ امام جب آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، تو اس پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب امام زور سے آمین کہے، ورنہ امام کے ساتھ آمین کہنا ممکن نہ ہوگا۔

جواب: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کا مطلب یہ ہے کہ جب امام کے آمین کہنے کا وقت آئے تو تم آمین کہو۔ یعنی جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہہ کر فارغ ہو تو تم آمین کہو۔ جیسا کہ سنن النسائی کی حدیث میں اِس کی صراحت

موجود ہے:اِذَا قَالَ الاِمَامُ غَیرِ المَغضُوبِ عَلیهِم وَلَا الضَّالِّین فَقُولُوا آمِین جب امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کی قرأت کرلے تو تم آمین کہو۔اس کے بعد حدیث پاک میں یہ جملہ بھی موجود ہے: وَاِنَّ الاِمَامَ یَقُولُ آمِین۔اورامام بھی آمین کہتا ہے۔اگرامام زور سے آمین کہتا تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''امام آمین کہتا ہے''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام آہستہ آمین کہے گا۔یہ جو حدیث میں ہے کہ ''جب امام آمین کہے'' تو اس کا مطلب ہے''جب امام کے آمین کہنے کا وقت آئے''تو تم آمین کہو یعنی امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہے تو آمین کہو۔اس تاویل کی تائید میں خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔اس طرح کی تاویل بعض قرآنی آیات میں بھی کی گئی ہے۔مثلا:قرآن حکیم میں ہے:وَاِذَاقُمتُم اِلی الصَّلوٰۃ فَاغسِلُوا وُجُوھَکُم ۔اس آیت کریمہ کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھوؤ۔حالاں کہ نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضو کرنے کا حکم نہیں، بلکہ جب نماز کا وقت آجائے اور نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور وضو نہ ہو تو وضو کرنے کا حکم ہے۔جس طرح نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضو کرنے کا مطلب ہے نماز کا ارادہ کرنے کے وقت وضو کرو،اسی طرح 'امام جب آمین کہے تو آمین کہو' کا مطلب ہے یہ ہے کہ جب امام کے آمین کہنے کا وقت آئے یعنی امام غیر المغضوب علیھم و لاالضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔رہی بات یہ کہ اگر امام زور سے آمین نہیں کہے گا تو مقتدی کو کیسے معلوم ہوگا کہ امام نے آمین کہی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ واضح فرمادیا ہے کہ امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہہ کر فارغ ہو تو تم آمین کہو اور امام بھی آمین کہتا ہے،تو اس سے معلوم ہوگیا کہ امام غیر المغضوب علیھم و لاالضالین کے

بعد آمین کہتا ہے، لہذا اسی وقت مقتدی کو بھی کہنا چاہئے ۔ امام آہستہ آمین کہے پھر بھی مقتدی کو شرعا یہ معلوم ہے کہ امام نے غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہنے کے بعد آمین کہی ۔ کیوں کہ دونوں کے آمین کہنے کا یہی محل ہے ۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ امام بلند آواز سے آمین کہے گا تو ہی مقتدی کو معلوم ہوگا کہ امام نے آمین کہی ۔ ہاں یہ احتمال رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ امام نے آمین نہ کہی ہو، لیکن اس سے مقتدی کی آمین پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ امام نے اگر آمین نہ بھی کہی ہو تو بھی مقتدی کو آمین کہنا ہے۔ کیوں کہ امام و مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنے کا محل غیر المغضوب علیھم و لا الضالین ہے۔ لہذا جب امام فاتحہ کی آخری آیت پڑھ لے تو مقتدی کو آمین کہنا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام اگر بلند آواز سے آمین کہے گا جبھی مقتدیوں کو معلوم ہوگا کہ امام نے آمین کہی ؟ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ شرعی اعتبار سے جب امام کے لئے حکم ہے کہ وہ غیر المغضوب علیھم و لا الضالین پر آمین کہے تو شرعا یہ بات متحقق و ثابت ہے اور مقتدی کو شرعا معلوم ہے کہ امام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کے بعد آمین کہتا ہے ، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ امام بھی آمین کہتا ہے۔ نیز اہل علم و تحقیق کو معلوم ہے کہ کبھی تحقق شرعی کو تحقق حسی کے قائم مقام کردیا جاتا ہے۔ مثلا نیند ناقض وضو ہے۔ اس کا سبب حالتِ نیند میں خروجِ ریح ہے ۔ نیند کی حالت میں ریح کا خروج اگرچہ حسی طور پر معلوم و متحقق نہ ہو لیکن شرع نے اس کو متحقق و معلوم قرار دیا ہے، لہذا اس کو خروج ریح کے قائم مقام مان کر ناقض وضو قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگرچہ امام کے آہستہ آمین کہنے کی وجہ سے اس کی آمین کا علم حسی طور پر مقتدیوں کو نہ ہو لیکن شرعی طور پر انہیں اس کا علم ہے کیوں کہ شرعی طور پر امام کے لئے بھی محل آمین وہی ہے جو مقتدیوں کے لئے ہے، وہ ہے غیر المغضوب

علیھم و لا الضالین۔

اِذَااَمَّـنَ الاِمَـامُ فَـاَمِّـنُـوا سے آمین بالجہر پر استدلال اس وقت درست ہوتا جب کہ مقتدیوں کے آمین کہنے کوامام کے آمین کہنے پر مشروط کیا جاتا، حالاں کہ ایسا نہیں کہ اگر امام آمین کہے گا تو مقتدیوں کو آمین کہنا ہوگا اور امام نہیں کہے گا تو مقتدیوں کو بھی نہیں کہنا ہوگا، بلکہ حکم یہ ہے کہ امام آمین کہے یا نہ کہے بہر حال مقتدیوں کو آمین کہنے کا حکم ہے، یہ اور بات ہے کہ امام کو بھی آمین کہنا چاہئے۔اس توضیح سے معلوم ہوگیا کہ اذا امّـن الامـام فـامّنوا کا مطلب یہ ہے کہ جب امام کے آمین کہنے کا وقت آئے یعنی امام غیر الـمغضوب علیھم و لا الـضـالـیـن پڑھ کر فارغ ہو جائے تو مقتدی آمین کہے۔لہذا حدیثِ مذکور سے آمین بالجہر پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

اعتراض:(2) آہستہ آمین کہنے کے ثبوت میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی جس روایت کو پیش کیا جاتا ہے اُس سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔کیوں کہ وہ روایت شعبہ سے مروی ہے اور امام بخاری کے کہنے کے مطابق یہاں پر شعبہ سے تین خطائیں ہوئی ہیں۔(۱) شعبہ نے اپنی روایت کی سند میں ایک راوی کا نام حجر ابوالعنبس ذکر کیا ہے، حالاں کہ اس کا نام حجر بن عنبس ہے۔اس کی کنیت ابوالعنبس نہیں بلکہ ابوالسکن ہے۔(۲) شعبہ نے اپنی روایت کی سند میں علقمہ بن وائل کا نام بھی ذکر کیا ہے حالاں کہ سفیان ثوری کی سند میں علقمہ کا نام نہیں، بلکہ حجر بن عنبس کی روایت راست وائل بن حجر سے ہے۔یعنی حجر بن عنبس اور وائل بن حجر کے درمیان علقمہ واسطہ نہیں اور شعبہ نے واسطہ ذکر کیا ہے۔(۳) شعبہ کی روایت کے متن میں خَـفَضَ بھاصو تہ کے الفاظ ہیں۔یعنی حضور ﷺ نے آہستہ آمین کہی، حالاں کہ یہی روایت سفیان سے مروی ہے تو اس میں مَـدَّ بِھَـاصَو تَـہٗ کے

الفاظ ہیں ۔یعنی حضورﷺ نے آواز کو کھینچ کر آمین کہی۔ یہی وجہ ہے کہ ابوزرعہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ حَدِیثُ سُفیَانَ فِی ھٰذا اَصَحُّ ۔ آمین کے سلسلے میں سفیان کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔یعنی حضورﷺ نے آمین بلند آواز سے کہی، یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔(سنن الترمذی 2/27)

جواب: شعبہ کی روایت پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں۔ یہ کہنا کہ اِس روایت میں شعبہ سے تین خطائیں ہوئی ہیں، بے دلیل ہے۔(۱) شعبہ کا حجر بن عنبس کو ابوالعنبس کہنا غلط نہیں، کیوں کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے اور ابوالسکن بھی ہے۔ایک شخص کی دو کنیت ہوں تو دونوں میں سے ایک کو ذکر کرنا خطا نہیں ۔ حجر کے والد کا نام بھی عنبس ہے اور حجر کے بیٹے کا نام بھی عنبس ،لہذا حجر ابن العنبس (عنبس کا بیٹا) ہونے کے ساتھ ساتھ ابوالعنبس (عنبس کا باپ) بھی ہے، کیوں کہ دادا کے نام پر پوتے کا نام ہوسکتا ہے، لہذا حجر کو ابوالعنبس کہنا خطا نہیں، جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھا ہے۔

حجر ابن العنبس ہی حجر ابوالعنبس ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ

☆سنن الدارقطنی باب التامین فی الصلاۃ میں حدیث 1267 کے تحت یہی روایت سفیان سے مروی ہے تو اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

عَن حُجرٍ اَبِی العَنبَسِ وَھُوَابنُ عَنبَسٍ ۔ حجر ابوالعنبس سے روایت ہے جو کہ ابن عنبس ہیں۔حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہے اور ابوالسکن بھی۔

☆ابن حبان نے یہ لکھا ہے۔ حُجرُبنُ عَنبَسٍ اَبُو السَّکَنِ الکُوفِی وَھُوَ الَّذِی یُقَالُ لَہٗ حُجرٌ اَبُو العَنبَسِ ۔(الثقات 4/177)

☆ابن ابو حاتم نے لکھا: حجر بن عنبس ابو السکن ویقال ابو العنبس ۔ (الجرح

والتعدیل 3/266) حجر ابوالعنبس سے مشہور تھے، ابوالسکن ان کی کنیت زیادہ مشہور نہیں تھی

☆ جیسا کہ عقیلی لکھتے ہیں: اَبُو العَنبَسِ وَقِیلَ اَبُو السَّکَنِ ۔(بغیۃ الطلب 5/2132)

☆ ذہبی نے لکھا: حُجرُ بُنُ عَنبَسٍ الحَضرَمِی اَبُو العَنبسِ وَیُقَالُ : اَبُو السَّکَن۔ (تاریخ الاسلام 2/927)

☆ خطیب بغدادی نے لکھا: حجر بن عنبس ابو العنبس ویقال:ابو السکن الحضرمی ۔(تاریخ بغداد 8/286)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حجر بن عنبس ابوالعنبس ہیں، انہیں ابوالسکن بھی کہا جاتا ہے۔(تہذیب التہذیب 2/215)

ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ حجر بن عنبس کو حجر ابوالعنبس کہنا شعبہ کی خطا نہیں، کیوں کہ حجر بن عنبس ہی ابوالعنبس ہیں اور انہیں ابوالسکن بھی کہا جاتا ہے۔خود سفیان ثوری کی روایت میں بھی حجر ابوالعنبس موجود ہے، جیسا کہ دارقطنی کے حوالے سے گزرا۔

ابن حبان کے علاوہ دارقطنی ، ابن ابی حاتم، عقیلی ، ذہبی ،عسقلانی حتی کے غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں یہ لکھا ہے کہ حجر کی دو کنیت ہیں، ابوالعنبس اور ابو السکن اور وہ ابن العنبس بھی ہیں، پھر بھی غیر مقلد عالم شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے جوشِ تعصب میں یہ لکھ مارا ہے:

قُلنَالَم یَثبُتُ مِنُ کُتُبِ الرِّجَالِ وَالتَّراجِمِ اَنَّ کُنیَۃَ حُجرِ بنِ عَنبسٍ اَبُو العَنبَسِ وَاَنَّ لَہٗ کُنیَتَانِ(کذا فی الاصل ۱۲م) وَلَم یُصَرِّحُ بِہٖ اَحَدٌ مِن اَئِمَّۃِ الفَنِّ غَیرُابنِ حِبَّانٍ ۔

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ کتب رجال وتراجم میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ حجر بن عنبس کی کنیت ابوالعنبس ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ ان کی دو کنیت ہیں۔ائمہ فن میں سے کسی نے اس

کی صراحت نہیں کی ہے سوائے ابن حبان کے۔(تحفۃ الاحوذی 1/210)

(۲) شعبہ کی روایت میں حجر بن عنبس اور وائل بن حجر کے درمیان علقمہ کا واسطہ ہے جب کہ سفیان کی روایت میں علقمہ کا واسطہ نہیں ،لہذا علقمہ کو واسطہ ذکر کرنا شعبہ کی خطا ہے۔ شعبہ کی روایت پر دوسرا اعتراض بھی غلط ہے۔شعبہ کی روایت میں علقمہ کا ذکر شعبہ کی خطا نہیں، کیوں کہ حجر بن عنبس کا سماع اگر علقمہ کے واسطے سے وائل بن حجر سے ثابت نہ ہوتا تو یہ کہنا درست ہوتا کہ شعبہ نے یہاں پر علقمہ کا واسطہ ذکر کرنے میں خطا کی ہے،لیکن معاملہ ایسا نہیں۔حجر بن عنبس نے اس حدیث کو بلا واسطہ وائل بن حجر سے بھی سنا ہے اور علقمہ کے واسطے سے بھی سنا ہے۔سفیان کی سند میں علقمہ کا واسطہ مذکور نہیں اور شعبہ کی سند میں مذکور ہے،اس لحاظ سے دونوں سندیں درست ہیں۔

حجر ابوالعنبس نے اِس حدیث کو حضرت وائل بن حجر سے بلا واسطہ سنا ہے اور علقمہ کے واسطے سے بھی سنا ہے، اِس کی دلیل مسند ابوداؤد الطیالسی کی یہ روایت ہے:

سَلَمَةُ بنُ كُهَيلٍ قَالَ:سَمِعْتُ حُجُرًاابَاالعَنبَسِ قَالَ:سَمِعتُ عَلقَمَةَبنَ وَائِلٍ وَ قَدْ سَمِعتُهُ مِنْ وَائِلٍ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِی ﷺ فَلَمَّاقَرأَ غيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ: آمين، خَفَضَ بِهَا صَوتَهُ۔

ترجمہ:سلمہ بن کہیل نے کہا: میں نے حجر ابوالعنبس سے سنا: انہوں نے کہا کہ میں نے علقمہ بن وائل سے سنا اور میں نے وائل رضی اللہ عنہ سے بھی سنا،انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی،جب آپ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھ کر فارغ ہوئے تو پست آواز سے آمین کہی۔(مسند ابوداؤد الطیالسی 2/360)

جب خود حجر ابوالعنبس نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ میں نے حضرت وائل بن

حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو خود حضرت وائل سے بلا واسطہ سنا ہے اور علقمہ کے واسطے سے بھی سنا ہے تو شعبہ کی روایت میں حجر ابوالعنبس اور حضرت وائل کے درمیان علقمہ کو واسطہ ذکر کرنا شعبہ کی خطا کیوں کر ہوئی؟ خطا تو اُس وقت ہوتی جب کہ حجر ابوالعنبس نے یہ حدیث علقمہ کے واسطے سے حضرت وائل سے نہ سنی ہوتی۔

(۳) شعبہ کی روایت میں خفض بھا صوته (حضور ﷺ نے آہستہ آمین کہی) کے الفاظ ہیں۔ اسے شعبہ کی خطا کہنا بے دلیل ہے، جو خود ایک بڑی خطا ہے۔

سفیان ثوری کی محدثانہ عظمتِ شان اپنی جگہ مسلم ہے لیکن یہاں پر شعبہ کی روایت عملاً سفیان ثوری کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں۔

(الف) شعبہ کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود سفیان ثوری نے شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہا ہے۔ وہ جرح وتعدیل کے ائمہ سابقین اولین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

كَانَ سُفيَانُ الثَّورِى يَخُضَعُ لَهٗ وَيُجِلُّهٗ وَيَقُولُ: شُعبَةُ اَمِيرُ المُؤمِنِينَ فِى الحَدِيثِ ـ

ترجمہ: سفیان ثوری شعبہ کے سامنے نیاز مندی کا اظہار کرتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے اور یہ فرماتے: شعبہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

مسلم بن قتیبہ کہتے ہیں: اَتَيتُ سُفَيَانَ الثَّورِى فَقَالَ: مَافَعَلَ اُستَاذُنَا شُعبَةُ۔

ترجمہ: میں سفیان ثوری کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: ہمارے استاذ شعبہ کا کیا حال ہے؟

(سیر اعلام النبلا 7/212)

امام شافعی نے فرمایا: لَولَا شُعبَةُ لَمَاعُرِفَ الحَديثُ بِالعِرَاقِ ـ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کی پہچان نہ ہوتی۔

امام عبداللہ حاکم نے فرمایا: شُعبَةُ اِمَامُ الائِمَّةِ بِالبَصرَةِ فِی مَعرِفَةِ الحَدِیثِ۔ شعبہ معرفتِ حدیث کے معاملے میں بصرہ کے اماموں کے امام تھے۔شعبہ نے چار سو تابعین سے سماع احادیث کیا ہے۔

حماد بن زید کا قول ہے: اذا خالفنی شعبة فی حدیث صِرتُ الیه ۔ جب شعبہ نے کسی حدیث میں میری مخالفت کی تو میں نے شعبہ کی جانب رجوع کرلیا۔ ابوالولید نے پوچھا وہ کیوں؟ تو حماد نے کہا: اِنَّ شُعبَةَ کَانَ لَایَرضٰی اِنْ سَمِعَ الحَدِیثَ عِشرِینَ مَرَّةً وَاَنَا اَرضٰی اِنْ اَسمَعُهٗ مَرَّةً ۔

ترجمہ: شعبہ کسی حدیث کو بیس مرتبہ سن کر بھی مطمئن نہیں ہوتے تھے اور میں ایک بار سن کر مطمئن ہو جاتا ہوں۔(سیر علام النبلاء 7/219)

ابوالولید کا قول ہے: سَأَلتُ شُعبَةَ عَن حَدِیثٍ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اُحَدِّثَنَّكَ بِهٖ قُلتُ وَلِمَ؟ قَالَ لِاَنِّی لَم اَسمَعُهٗ اِلَّا مَرَّةً۔ (ایضا)

ترجمہ: میں نے شعبہ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا میں وہ حدیث ہرگز نہیں سناؤں گا۔میں نے کہا کیوں؟ تو انہوں نے کہا: میں نے اسے صرف ایک بار سنا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ شعبہ کبھی راوی کا نام ذکر کرنے میں غلطی کرتے تھے لیکن حفظ متن میں نہیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حفظ متن کا اہتمام زیادہ کرتے تھے۔(ایضا)

یحییٰ بن سعید قطان نے فرمایا: مَارَأَیتُ اَحَدًا قَطُّ اَحسَنَ حَدِیثًا مِن شُعبَةَ ۔

ترجمہ: میں نے کبھی شعبہ سے زیادہ اچھی حدیث والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ابوالولید کہتے ہیں: سَمِعتُ شُعبَةَ یَقُولُ: کُنتُ اٰتِی قَتَادَةَ فَاَسأَلُهٗ عَن حَدِیثَینِ فَیُحَدِّثُنِی ثُمَّ یَقُولُ اَزِیدُكَ ؟فَاَقُولُ لَاحَتّٰی اَحفَظُهُمَا وَاُتقِنُهُمَا۔

ترجمہ: میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں قتادہ کے پاس آتا تھا۔ میں اُن سے دو حدیثیں سنتا تھا پھر وہ یہ کہتے تھے اور زیادہ سناؤں؟ تو میں کہتا تھا: نہیں، یہاں تک کہ میں دونوں کو اچھی طرح محفوظ کرلوں۔ (سیر اعلام النبلاء 7/209)

ابن حجر عسقلانی نے ایک روایت کے ضمن میں یہ لکھا:

لَکِنْ قَدْرَوَاهُ شُعبَةُ وَهُوَ لَایَحْمِلُ عَنْ مَشَائِخِهٖ اِلَّا صَحِیحَ حَدِیثِهِمْ۔ اس حدیث کو شعبہ نے روایت کیا ہے اور شعبہ اپنے شیوخ سے صرف صحیح احادیث ہی نقل کرتے ہیں (فتح الباری ا۔۳۰۰)۔ اس کو غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں اور مشہور غیر مقلد عالم شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری نے بھی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں نقل کیا ہے۔

شیخ مباک پوری نے بعض ائمہ حدیث کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

اِذَارَأَیتَ شُعبَةَ فِی اِسنَادِ حَدِیثٍ فَاشْدُدْ یَدَیْكَ بِهٖ۔ ترجمہ: جب کسی حدیث کی سند میں شعبہ کو دیکھو تو اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ (تحفۃ الاحوذی ۴۔۴۶۵)

شیخ ابن القیم نے یہ لکھا ہے:

وَاِذَاکَانَ شُعبَةُ فِی حَدِیثٍ لَمْ یَکُنْ بَاطِلاً وَکَانَ مَحفُوظاً۔ ترجمہ: جب کسی حدیث کی سند میں شعبہ ہوں تو وہ حدیث باطل نہیں بلکہ محفوظ ہے (الطرق الحکمیۃ ا۔۱۵۰)

شعبہ کی یہ شان ہونے کے باوجود بلا دلیل یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا کہ حدیث وائل بن حجر میں اخفاء آمین کو نقل کرنے میں شعبہ سے خطا ہوئی ہے؟

(ب) سفیان ثوری تدلیس میں مشہور تھے اور شعبہ اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ شعبہ کا یہ قول ہے: کُنتُ اَتَفَقَّدُ فَمَ قَتَادَةَ فَاِذَاقَالَ سَمِعتُ اَوْ حَدَّثَنَاتَحَفَّظْتُهٗ وَاِلَّا تَرَکْتُهٗ۔ ترجمہ: میں قتادہ کے منہ کو غور سے دیکھتا تھا، اگر وہ کسی حدیث کے تعلق سے یہ کہتے کہ میں

نے سنا، یا یہ کہتے کہ ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی تو میں اس کو محفوظ کر لیتا تھا ورنہ چھوڑ دیتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء 7/215)

ابونعیم فرماتے ہیں: سَمِعتُ شُعبَةَ یَقُولُ لَاَنْ اَزْنِیَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُدَلِّسَ۔ تدلیس کرنا میرے نزدیک زنا کرنے سے برا ہے۔ (ایضا)

ابوزید الھروی نے شعبہ کا یہ قول نقل کیا ہے: لَاَنْ اَقَعَ مِنَ السَّماءِ فَاَنْقَطِعَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُدَلِّسَ۔ (ایضا)

ترجمہ: میں آسمان سے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں تدلیس کروں

(ج) شعبہ اہل کوفہ کے علوم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اہل کوفہ آمین بالسر کے قائل تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شعبہ کا موقف بھی وہی تھا جو اہل کوفہ کا تھا۔

صالح بن سلیمان کا قول ہے: کَانَ شُعبَةُ مَولًی لِاَزْدٍ وَمَولِدُهٗ وَمَنشَأُهٗ بِوَاسِط وَعِلمُهٗ کُوفِیٌّ۔

ترجمہ: شعبہ قبیلہ ازد کے آزاد کردہ تھے۔ ان کی ولادت اور نشوونما واسط میں ہوئی اور ان کا علم (فقہ) اہل کوفہ کے علم کے موافق تھا۔ (سیر اعلام النبلاء 7/702)

حدیثِ وائل بن حجر کے مرکزی راوی سلمہ بن کہیل متوفی 122ھ کوفی ہیں۔ انہوں نے حجر بن عنبس سے روایت کی ہے۔ حجر بن عنبس حضرمی بھی کوفی ہیں اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی کوفی ہیں اور شعبہ کی روایت میں حجر بن عنبس اور حضرت وائل کے درمیان علقمہ واسطہ ہیں، وہ بھی کوفی ہیں۔ جب حدیثِ وائل کے سارے راوی کوفی ہیں اور اہل کوفہ کا موقف آمین بالسر ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ شعبہ کی روایت جس میں آمین بالسر کا ذکر ہے وہ صحیح ہے، اس میں شعبہ کی خطا نہیں ہے۔ سفیان کی روایت میں آمین بالجہر

کا ذکر ہے جو کہ اہل کوفہ کے موقف کے خلاف ہے۔ سفیان نے سلمہ بن کہیل کوفی سے آمین بالجہر کی روایت نقل کی ہے جب کہ شعبہ نے سلمہ بن کہیل کوفی سے آمین بالسر کی روایت نقل کی ہے، جو کہ اہل کوفہ کا موقف ہے۔ علاوہ ازیں متن حدیث کے معاملے میں شعبہ سفیان ثوری سے زیادہ قوی ہیں، خصوصا کوفیوں کے علم کے تعلق سے۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے: شُعبَۃُ اَثبَتُ فِی الحَکَمِ مِنَ الاَعمَشِ وَاَحسَنُ حَدِیثًا مِنَ الثَّورِی لَمْ یَکُنْ فِی زَمَنِ شُعبَۃَ مِثْلُہٗ۔

ترجمہ: شعبہ حکم کی حدیث کے معاملے میں اعمش سے زیادہ مضبوط ہیں اور سفیان ثوری سے زیادہ عمدہ حدیث والے ہیں۔ شعبہ کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا۔ (طبقات الحفاظ للسیوطی 1/ 89)

علاوہ ازیں سفیان ثوری کی روایت میں آمین بالجہر کا ذکر ہے لیکن خود سفیان ثوری کا موقف آمین بالسر کا تھا، جیسا کہ اہل کوفہ کا موقف تھا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حدیثِ وائل جو شعبہ سے مروی ہے، جس میں آمین بالسر کا ذکر ہے، اس کو علقمہ کے واسطے سے بھی حجر بن عنبس نے حضرت وائل سے سنا ہے اور بلا واسطہ بھی سنا ہے، شعبہ کی ایک سند میں واسطے کا ذکر ہے اور دوسری سند میں واسطے کا ذکر نہیں، لیکن سفیان ثوری کی روایت جس میں آمین بالجہر کا ذکر ہے اس میں حجر بن عنبس کا سماع صرف براہ راست حضرت وائل سے مذکور ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خَفَضَ بِھَا صَوتَہٗ (آمین آہستہ کہی) کے الفاظ کو حضرت وائل سے روایت کرنے میں حجر تنہا نہیں، بلکہ علقمہ نے بھی یہی الفاظ حضرت وائل سے روایت کیے ہیں۔ لہذا شعبہ کی روایت کو علقمہ کے ذریعہ تقویت بھی مل گئی۔

اعتراض:(3) خود شعبہ کا یہ قول ہے: سُفیَانُ اَحفظُ مِنیّ۔ سفیان مجھ سے زیادہ حفظ والے ہیں۔ نیز یحییٰ بن سعید قطان کا قول ہے کہ میرے نزدیک شعبہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی نہیں، لیکن جہاں انہوں نے سفیان کی مخالفت کی تو میں نے سفیان کے قول کو اختیار کیا۔ اس طرح کا قول یحییٰ بن معین کا بھی ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار 2/390)

جواب: یہ بات مسلم ہے کہ شعبہ نے سفیان ثوری کو امیر المومنین فی الحدیث بھی کہا ہے اور اپنے سے زیادہ حفظ والا بھی کہا ہے، لیکن ناقدین حدیث کا کہنا ہے کہ سفیان ثوری کا پایہ علم واجتہاد میں بہت بلند ہونے کے باوجود وہ تدلیس کرنے والے تھے، اگرچہ انہوں نے ضعیف راوی سے تدلیس نہیں کی ہے پھر بھی محدثین کے نزدیک تدلیس کو عیب شمار کیا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ بھی معروف ہے کہ شعبہ، رواۃ کے اسماء میں اگرچہ کبھی خطا کرتے تھے لیکن متن کے حفظ کا اہتمام بہت زیادہ کرتے تھے، جس کی وجہ سے اسماء رواۃ میں کبھی خطا ہوتی تھی۔ شعبہ حفظ حدیث کا کس قدر اہتمام اور روایت حدیث میں کتنی احتیاط کرتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حماد کا بیان ہے کہ شعبہ بار بار حتی کہ بیس بار کسی حدیث کو سنتے تو انہیں اطمینان ہوتا تھا۔ ایک بار ابوالولید نے شعبہ سے کوئی حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو شعبہ نے کہا کہ میں اس حدیث کو بیان نہیں کروں گا کیوں کہ میں نے اس کو صرف ایک بار سنا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء 7/219)

شعبہ کے قول ''سفیان مجھ سے زیادہ حفظ والے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ سفیان حفظ اسانید واسماء رجال کے معاملے میں مجھ سے زیادہ حفظ والے ہیں۔ رہا یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین کا قول کہ جہاں شعبہ نے سفیان کی مخالفت کی ہے وہاں ہم نے سفیان کا قول اختیار کیا ہے، یہ کوئی کلیہ نہیں کہ انہوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے۔ پھر اس کا یہ معنی بھی

ہوسکتا ہے کہ سند کے رجال کے ناموں میں جہاں شعبہ نے سفیان کی مخالفت کی ہے ہم نے وہاں سفیان کے قول کو اختیار کیا ہے۔علاوہ اس کے یہاں پر قول شعبہ اور قول سفیان میں کوئی تعارض ہی نہیں، کیوں کہ اگر قول سفیان سے مراد سند حدیث میں راوی کا نام ہے تو دلیل سے ثابت ہوگیا کہ سفیان اور شعبہ کی سندوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں۔دونوں کی سندیں صحیح ہیں اور اگر قول سفیان سے مراد قول فقہی ہے تو ظاہر ہے کہ سفیان اہل کوفہ سے ہیں ،اہل کوفہ کی طرح ان کا قول بھی آمین بالسر ہے۔لہذا آمین بالسر کے استحباب میں شعبہ اور سفیان کا اختلاف نہیں۔اگر قول سے مراد روایت کے الفاظ خفض صوت (آہستہ آمین کہنا) اور رفع صوت (زور سے آمین کہنا) کا ذکر ہو تو بھی قول سفیان اور قول شعبہ میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیوں حضور سے کبھی اونچی آواز سے آمین کہنا بھی منقول ہے جو سفیان کی روایت میں ہے اور آہستہ آمین کہنا بھی منقول ہے اور وہ شعبہ کی روایت میں ہے۔ہاں شعبہ کی روایت عملا راجح ہے کیوں کہ اس کو نص قرآنی سے تائید حاصل ہے اور سفیان کی روایت کا حال ویسا نہیں۔اس کے علاوہ خود سفیان کا عمل اپنی روایت کے خلاف تھا جو شعبہ کی روایت کی تقویت کا ایک سبب ہے۔

سفیان ثوری اگر چہ کوفی ہیں لیکن کوفیوں سے روایت کے معاملے میں شعبہ،سفیان سے زیادہ مضبوط ہیں۔چنانچہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے، شُعبَةُ اَحسَنُ حَدِیثاً مِنَ الثَّورِی قَدْ رَوَیٰ عَنْ ثَلاثِینَ کُوفِیّاً لَمْ یَلْقَهُمْ سُفیَانُ۔ ترجمہ: شعبۃ سفیان ثوری سے عمدہ حدیث والے ہیں۔شعبہ نے تیس ایسے کوفی محدثین سے روایات لی ہیں جن سے سفیان کی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے۔(سیر اعلام النبلاء 7/202)

خطیب بغدادی نے امام احمد کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: کَانَ سُفیَانُ رَجُلاً حَافِظاً وَرَجُلاً

صَالِحاًوَ کَانَ شُعبَةُ اَثبَتَ مِنهُ وَاَتقیٰ رِجَالاً۔

ترجمہ: سفیان صالح اور حافظ الحدیث تھے اور شعبہ ان سے زیادہ پختہ تھے اور بڑے متقی تھے (تاریخ بغداد ۹۔۲۶۳)

ذہبی نے ابن معین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: کَانَ یَحییٰ اِبنُ سَعِیدٍاِذَاسَمِعَ الحَدِیثَ مِنُ شُعبَةَ لَمُ یُبَالِ اَنُ لَا یَسمَعَهٗ مِنُ غَیرِہٖ۔

ترجمہ: یحیٰ ابن سعید جب کوئی حدیث شعبہ سے سنتے تھے تو کسی اور سے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام ۴۔۱۷)

امام اعظم ابوحنیفہ نے شعبہ کے بارے میں فرمایا: نِعُمَ حَشوُ المِصرِ هُوَ۔ اُن کے علم سے شہر بھر گیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۷۔۲۰۲)

بہر حال یہ بات محقق ہے کہ کوفیوں سے روایات کے معاملے میں شعبہ بہت قوی ہیں اور حدیثِ وائل بن حجر کے رُواۃ سلمہ بن کہیل سے تا آخر سب کوفی ہیں اور متن حدیث کوفیوں کے موقف کے موافق بھی ہے۔

اگر سفیان کی روایت کو صحت کے معاملے میں شعبہ کی روایت کے برابر بلکہ سفیان ثوری کی وجہ سے اقویٰ بھی مان لیا جائے پھر بھی عملا شعبہ کی روایت راجح ہے۔ اس کے راجح ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ نص قرآنی کی موافق ہے۔ قرآن حکیم میں آہستہ دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور آمین دعا ہے لہذا اس کو آہستہ کہنا چاہئے۔ دوسری وجہِ ترجیح یہ ہے کہ شعبہ کی روایت کو قیاس سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے۔ قیاس یہ کہتا ہے کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے، کیوں کہ آمین سورہ فاتحہ کا بلکہ قرآن کا جز نہیں، جیسا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا۔ آمین

بھی بلند آواز سے نہیں کہنا چاہئے کیوں کہ یہ نہ فاتحہ کا جز ہے نہ قرآن کا، بلکہ دعا ہے اور دعا آہستہ کرنا افضل ہے۔ جس طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو کبھی کبھار حضور ﷺ نے اور بعض صحابہ نے تعلیم کے لئے بلند آواز سے کہا ہے اسی طرح آمین کو بھی آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے کبھی تعلیم کے لئے بلند آواز سے کہا ہے۔ یہ دائمی مسنون طریقہ نہیں تھا بلکہ بطور تعلیم تھا۔ جس طرح اعوذ باللہ، بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا مسنون طریقہ ہے اسی طرح آمین کو بھی آہستہ کہنا مسنون طریقہ ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سند و متن کے لحاظ سے شعبہ کی روایت جس میں آہستہ آمین کہنے کا ذکر ہے، بھی صحیح ہے اور سفیان ثوری کی روایت جس میں زور سے آمین کہنے کا ذکر ہے، بھی صحیح ہے تو دونوں صحیح حدیثوں میں یا تو تطبیق دی جائے یا پھر کسی ایک کو ترجیح دینے کی صورت تلاش کی جائے۔ احناف اور مالکیہ نے سفیان ثوری کی حدیث کو آمین بالجہر کے جواز پر محمول کیا اور شعبہ کی روایت کو نص قرآنی اور اکابر صحابہ کرام و تابعین کے عمل سے تائید حاصل ہونے کی وجہ سے راجح قرار دیتے ہوئے آمین بالسر کو مسنون و افضل قرار دیا۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ آمین بالسر کے قائلین کو مخالفِ سنت اور منکرِ حدیث کہا جائے یا آمین بالجہر کے قائلین (شوافع اور حنابلہ) کو لعن طعن کیا جائے، لیکن غیر مقلدین واہل حدیث آہستہ آمین کہنے والوں کو مخالفِ سنت اور منکرِ حدیث کہتے ہیں۔ اہل حدیث چوں کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہبِ فقہی کو نہیں مانتے بلکہ ماننے والوں کو بدعتی و مشرک کہتے ہیں، اس لئے انہوں نے چاروں مذہب سے الگ اپنا ایک نیا مذہب نکالا ہے جس کے مطابق بلند آواز سے آمین کہنا گویا فرض و واجب ہے۔ حالاں کہ اس کے فرض یا واجب یا سنت موکدہ ہونے کا ثبوت کتاب و سنت میں نہیں کہ بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کی

نماز باطل یا فاسد ہو جائے اور وہ گنہگار ہوں۔

سفیان ثوری آہستہ آمین کہنے کے قائل تھے

شعبہ کی روایت کو سفیان ثوری کی روایت پر ترجیح حاصل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خود سفیان ثوری بھی آہستہ آمین کہنے کے قائل تھے۔ ابن حزم نے یہ لکھا ہے:

وَقَالَ سُفیَانُ الثَّورِی وَاَبُو حَنِیفَۃَ :یَقُولُھَاالاِمَامُ سِرًّاذَ ھَبُوااِلیٰ تَقلِیدِعُمَرَ بنِ الخَطَّابِ وَابنِ مَسعُودٍ رَضِیَ اللّٰہ عَنھُمَا۔

ترجمہ: سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ امام آہستہ آمین کہے گا۔ اِن حضرات نے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی تقلید میں یہ قول کیا ہے۔ (المحلیٰ بالآثار 2/295)

جب سفیان ثوری کا مذہب آہستہ آمین کہنا ہے تو یہ بات بعید ہے کہ انہوں نے حضرت وائل بن حجر کی حدیث میں مَدّ بِھَا صَوتَہٗ یارافعا صوتہ (زور سے آمین کہی) کے الفاظ ذکر کئے ہوں۔ ان الفاظ کو ذکر کرنے میں بعد کے کسی راوی سے خطا ہوئی ہے۔ کیوں کہ حدیث کے معلل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث میں راوی کی جانب کوئی ایسی بات منسوب ہو جو اس کے مذہب وموقف کے خلاف ہو۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل سے اِس حدیث کے متعلق پوچھا گیا:

قَالَ الخَلَّالُ اَخبَرَنَامُحَمَّدُ بُنُ یَاسِینَ بنِ بَشِیرِ بُنِ اَبِی طَاھِرٍ المَدِینِی قَالَ کَتَبَ اِلَیَّ اِبرَاھِیمُ بنُ یَمَانِی اَنُ سَلُ لِی اَحمَدَ بنَ حَنبَلٍ عَنُ حَدِیثٍ رَوَاہُ عُبَیدُاللّٰہِ بنُ مُوسیٰ عَنِ الثَّورِی عَنِ الاَجلَحِ عَنِ الشَّعبِی عَنِ النُعمَانِ بنِ بَشِیرٍ عَنِ النَّبِی ﷺ اَنَّہُ قَالَ: مَنُ اَحَبَّ مُعَاوِیَۃَ فَقَدُ اَحبَّنِی وَمَنُ اَبغَضَ مُعَاوِیَۃَ فَقَدُاَبغَضَنِی۔

ترجمہ: خلال نے کہا: ہمیں خبر دی محمد بن یاسین بن بشیر بن ابوطاہر المدینی نے، انہوں نے کہا مجھے ابراہیم بن یمانی نے خط لکھا کہ تم احمد بن حنبل سے اُس حدیث کے بارے میں پوچھو جسے عبیداللہ بن موسیٰ نے سفیان ثوری سے، انہوں نے اجلح سے، انہوں نے شعبی سے ، انہوں نے نعمان بن بشیر سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے معاویہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے معاویہ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

جب ابراہیم بن یمانی نے اس حدیث کے بارے میں امام احمد بن حنبل سے پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

اَلَاجُلَحُ يَتَشَيَّعُ كَيُفَ يَروِى مَثُلَ هٰذا ؟ وَقَالَ:لَوُرَوَاهُ شَامِىٌّ لَكَانَ۔ فَاَمَّااَهلُ الكُوفَةِ فَلاَ۔ (منہج الامام احمد فی اعلال الاحادیث 1/254)

ترجمہ: اجلح تو شیعانِ علی میں سے تھا تو وہ اس طرح کی حدیث کیسے روایت کرسکتا تھا؟ ہاں یہ کسی شامی کی روایت ہوتو ہو، لیکن اہل کوفہ کی یہ روایت نہیں ہوسکتی۔

امام احمد بن حنبل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت والی اِس حدیث کو اس لئے معلل و نامقبول قرار دیا کہ اس کا راوی اجلح شیعی تھا، تو ایسا کیوں کر ہوسکتا ہے کہ کوئی شیعی فضائل معاویہ سے متعلق حدیث بیان کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث معلل و نامقبول ہے۔

اس تعلق سے عرب محقق شبیر علی عمر لکھتے ہیں:

وَفِى اِعلاَلِ الِامَامِ اَحمَدَ لَهٗ مِن هٰذَاالوَجهِ الَّذِى ذَكَرَهُ اِبرَازٌ لِدِقَّةِ نَظرِهٖ حَيثُ اِستَدَلَّ عَلىٰ بَرَاءةِ سَاحَةِ الاَجلَحِ مِن رِوَايَةِ هٰذَاالخَبرِ بِاَنَّهُ حَدِيثٌ جَاءَ فِى فَضلِ مُعَاوِيَةَ وَيَستَبعِدُاَنُ يَروِىَ مَثلَ هٰذَااَوِ شِيعِىٌ مَثلُ الاَجلَحِ لِاَنَّ المَعرُوف اَنَّ

الرُّوَاۃَ الشِیعَۃَ یَروُونَ مَافِیہِ مَدحٌ وَفَضِیلَۃٌ لِاَھلِ البَیتِ وَمَا فِیہِ ذَمٌّ وَنَقِیصَۃٌ لِمُعَاوِیَۃَ وَاَتبَاعِہٖ فَھُوَ یَرٰی بِھٰذَااَنَّ الحَدِیثَ لَیسَ مِنُ حَدیثِ الاَجُلَحِ وَاِنَّمَااَخطَأ فِیہِ اَحدُ الرُّوَاۃِ مِمَّنُ فَوقَہُ فَاَلُصَقَہُ بِہٖ خَطأً وَوَھُماً۔

ترجمہ: مذکورہ جہت سے امام احمد بن حنبل کا اس حدیث کو معلل ٹھہرانا ان کی دقتِ نظر کی دلیل ہے۔ بایں طور کہ انہوں نے اس حدیث کی روایت سے اجلح کی برأت پر دلیل لاتے ہوئے یہ کہا کہ یہ حدیث امیر معاویہ کی فضیلت پر ہے اور یہ بات بعید ہے کہ اجلح کی طرح کوئی شیعی راوی اس قسم کی روایت بیان کرے۔ کیوں کہ یہ بات معروف ہے کہ شیعی راوی ایسی روایات بیان کرتے ہیں جن میں اہل بیت کی مدح وفضیلت ہو اور جن میں امیر معاویہ اور ان کے متبعین کی مذمت اور نقص ہو۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ یہ اجلح کی روایت نہیں، بلکہ اس روایت میں اجلح کے اوپر کے کسی راوی کو خطا ہوئی ہے اور اس نے خطا اور وہم کی بنا پر اس کو اجلح کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ (منہج الامام احمد فی اعلال الاحادیث 1/ 254)

پھر حدیث کے معلل ہونے کی ایک وجہ کے تعلق سے امام احمد بن حنبل کا منہج بیان کرتے ہوئے محقق موصوف لکھتے ہیں:

وَھُوَاَنُ یَکُونَ مَتنُ الحَدِیثِ یُنَاقِضُ مَذُھَبَ الرَّاوِی فَیُستَدَلُّ بِذَالِکَ عَلٰی اِستِبُعَادِاَنُ یَکُونَ قَدُ رَوَی ذَالِکَ الحَدِیثَ ۔

ترجمہ: حدیث کے معلل ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ متن حدیث راوی کے مذہب کے خلاف ہو، تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ راوی کی جانب اس کی نسبت بعید ہے۔ (ایضا)

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جو سفیان ثوری سے مروی ہے اور

جس میں زور سے آمین کہنے کا ذکر ہے وہ معلل و نا مقبول ہے، کیوں کہ خود سفیان ثوری کا مذہب زور سے آمین کہنا نہیں بلکہ آہستہ کہنا ہے۔ لہذا اس کے مقابلے میں شعبہ کی روایت جس میں آہستہ آمین کہنے کا ذکر ہے صحیح و مقبول ہے۔

حضور ﷺ کا زور سے آمین کہنا تعلیم کے لئے تھا

اگر سفیان ثوری کی روایت جس میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے، اس کو شعبہ کی روایت سے زیادہ صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی شعبہ کی روایت عملا راجح ہے۔ کیوں کہ بلند آواز سے آمین کہنا حضور نبی اکرم ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے کبھی کبھار تعلیم و ترغیب کے لئے بلند آواز سے آمین کہی ہے۔ جیسا کہ کبھی کبھار آپ ﷺ سے تھوڑی بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا بھی منقول ہے۔ نیز سری نماز میں کبھی کبھار ایک آدھ آیت تھوڑی آواز سے پڑھ دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقرَأُ فِي الرَّكعَتَينِ الأُولَيَينِ مِن صَلاةِ الظُّهرِ بِفَاتِحَةِ الكِتابِ وَسُورَتَينِ يُطَوِّلُ فِي الأُولىٰ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَّةِ وَيُسمِعُ الآيَةَ اَحيَاناً۔ الحديث۔

(صحیح البخاری باب القرأۃ فی الظہر 1/ 152)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت طویل فرماتے اور دوسری اس سے مختصر، اور کبھی کبھار ایک آدھ آیت سُنا دیتے تھے۔

ظاہر ہے کہ فرضِ ظہر کی قرأت میں حضور کا ایک آدھ آیت کو زور سے پڑھنا تعلیم کے لئے تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ سری نماز بھی قرأت سے خالی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سرّی نماز میں ایک دو آیت کو زور سے پڑھنا درست ہے۔

ایک موقع پر بصرہ سے کچھ لوگ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ وہ حضرت عمر سے یہ پوچھنے آئے تھے کہ نماز کے شروع میں کیا پڑھا جائے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، نماز شروع کی اور آنے والے آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے ثنا (سبحانک اللھم وبحمدک..) پڑھی۔

حضرت عمر نے ثنا بلند آواز سے اس لئے نہیں پڑھی تھی کہ بلند آواز سے ثنا پڑھنا سنت ہے، بلکہ آپ انہیں تعلیم دینا چاہتے تھے کہ تکبیر افتتاح کے بعد ثنا پڑھنا سنت ہے۔

چنانچہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِنَّمَا جَھَرَ بِذَالِكَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ لِیُعَلِّمَھُم مَاسَأَلُوهُ عَنهُ ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تعلیم دینے کے لئے بلند آواز سے سبحانک اللھم وبحمدک پڑھا تھا۔ (الآثار لمحمد بن الحسن 1/ 222) پھر فرمایا: لَانَرَیٰ اَنْ یَجهَرَ بِذَالِكَ الِامَامُ وَلَامَنْ خَلفَهُ ۔ اس کو امام اور مقتدی کوئی بھی بلند آواز سے نہیں کہے گا۔ (ایضا)

اس روایت کو دارقطنی نے اسود سے نقل کیا ہے پھر اسود کا یہ قول ذکر کیا ہے: لِیُسمِعَنَا ذَالِكَ وَیُعَلِّمَنَا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں سنا کر سبحانک اللھم کہتے تھے ہمیں تعلیم دینے کے لئے۔ (سنن الدارقطنی 2/ 65)

سنن الدارقطنی ہی میں ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کبھی بلند آواز سے سبحانک اللھم کہتے تھے۔ (ایضا) ظاہر ہے اس کا مقصد بھی تعلیم دینا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلند آواز سے ثنا پڑھنا مسنون ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب کبھی بلند آواز سے آمین کہی ہے تو بیانِ جواز یا تعلیم اور ترغیب کے لئے۔ اس بات کی تائید خود حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ محمد بن احمد الدولابی الرازی (وفات: 310ھ) نے اپنی درج ذیل سند کے

ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔

حَدَّثَنَاالحسنُ بنُ عَلِي بنِ عَفَّانٍ قَالَ:حَدَّثَنَاالحَسَنُ بنُ عَطِيَّة قَالَ:اَنبأَنَايَحيىٰ بنُ سَلمَةَ بنِ كُهَيلٍ عَن اَبِيهِ عَن اَبِى السَّكَنِ حُجرِ بنِ عَنبَسٍ الثقفِى قَالَ: سَمِعتُ وَائِلِ بنِ حُجرٍ الحَضرَمِى يَقُولُ: رَأَيتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ فَرَغَ مِنَ الصَّلاةِ حَتّٰى رَأَيتُ خَدَّهُ مِن هٰذَاالجَانِبِ وَمِن هٰذَاالجَانِبِ وَقَرَأَ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِين يَمُدُّ بِهَا صَوتَهُ مَااَرَاهُ اِلَّا يُعَلِّمُنَا۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کی حسن بن علی بن عفان نے ، انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی حسن بن عطیہ نے ، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی یحییٰ بن سلمہ بن کہیل نے اپنے والد (سلمہ بن کہیل) سے ، انہوں نے ابوسکن حجر بن عنبس الثقفی سے ، انہوں نے کہا: میں نے وائل بن حجر الحضرمی کو فرماتے ہوئے سنا: انہوں کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ادھر سے اور اُدھر سے آپ کے رخسار مبارک کو دیکھا اور آپ نے غیر المغضوب علیهم ولا الضالین پڑھا تو آواز کو کھینچ کر آمین کہا میں سمجھتا ہوں کہ آپ ہمیں تعلیم دے رہے تھے۔ (الکنی والاسماء 2/610)

پھر حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے ایک روایت طبرانی کبیر میں ہے: حضرت وائل فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ نماز میں داخل ہوئے۔ جب فاتحۃ الکتاب کی قرأت سے فارغ ہوئے تو تین بار آمین کہی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی 22/22 حدیث 38)

ظاہر ہے اگر حضور ﷺ نے قرأتِ فاتحہ کے بعد تین بار آمین کہی تو یہ محض تعلیم وترغیب کے لئے تھا نہ کہ بطور سنت۔ ورنہ کیا غیر مقلدین یہ کہیں گے کہ تین مرتبہ آمین کہنا سنت ہے؟؟

اگر یہ کہا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت وائل نے حضور ﷺ کو تین مرتبہ دیکھا کہ

آپ نے فاتحۃ الکتاب کی قرات کے بعد آمین کہی۔ پھر تو اس روایت سے آمین بالجہر کا سنت نہ ہونا ثابت ہوگیا، کیوں کہ حضرت وائل کے قول کے مطابق انہوں نے حضور ﷺ کو تین بار بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے سنا ہے، اس سے آمین بالجہر کا دائمی عمل ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اگر معترض کے پاس اس کے دائمی عمل ہونے پر کوئی دلیل ہے تو لے آئے۔

حب حدیث کے راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ خود وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بلند آواز سے آمین ہمیں تعلیم دینے کے لئے کہی ہے اور انہوں نے حضور کو تین مرتبہ آمین کہتے ہوئے سنا ہے، تو اس سے ثابت ہوگیا کہ بلند آواز سے آمین کہنا حضور کا دائمی عمل نہیں تھا، بلکہ جس طرح نماز میں قرأتِ فاتحہ سے پہلے آہستہ بسم اللہ کہتے تھے اور ثنا آہستہ پڑھتے تھے، اسی طرح آمین بھی آہستہ کہتے تھے۔ یہی آپ کا مسنون طریقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اِس مسنون طریقہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے آہستہ آمین کہنے کو پسند فرمایا ہے۔ اگر آہستہ آمین کہنا خلاف سنت ہے تو غیر مقلدین کے کہنے کے مطابق یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ سب کوفی صحابہ وتابعین جو آمین بالسر پر عامل تھے، سنت کے خلاف عمل کرنے والے تھے! کیا صحابۂ کرام وخلفاء راشدین کے بارے میں ایسا گمان کرنا درست ہے؟

اعتراض: (4) شعبہ کی ایک روایت جو ابوالولید الطیالسی سے مروی ہے، سفیان ثوری کی روایت کی مثل ہے۔ اس میں رَافِعًا بِهٖ صَوتَهٗ کے الفاظ مذکور ہیں۔ یعنی حضور ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفیان ثوری کی روایت راجح ہے، کیوں کہ خود شعبہ کی ایک روایت بھی سفیان ثوری کی روایت کی طرح ہے۔

جواب: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو شعبہ اور سفیان ثوری نے روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری سے یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، خلاد بن یحییٰ، عبداللہ بن یوسف، ابوداؤد الحضرمی نے روایت کی ہے تو اس میں آواز کھینچ کر یا بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے اور شعبہ سے روایت کرنے والے عفان، سلیمان بن حرب، حجاج بن نُصیر، وکیع، یزید بن ہارون، یزید بن زریع، محمد بن جعفر، ابوداؤد طیالسی اور ابوالولید الطیالسی ہیں۔ ان کی روایتوں میں آہستہ آمین کہنے کا ذکر ہے۔ حاکم نے المستدرک میں شعبہ کی روایت کو ذکر کیا ہے تو اس میں سلیمان بن حرب اور ابوالولید الطیالسی کی روایت میں بھی ”یخفض بها صوته“ کے الفاظ ہیں۔ یعنی حضورﷺ آہستہ آمین کہتے تھے۔ حدیث مذکور کو حاکم نے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اس کو بخاری و مسلم کی شرط پر کہا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین 2/253)

خود ابوالولید الطیالسی نے شعبہ سے ”آمین بالسر“ نقل کی ہے اور یہ روایت صحیح بھی ہے جیسا کہ حاکم نے روایت کی ہے اور اس کو علامہ ذہبی نے شرط صحیحین پر کہا ہے۔ لہذا اُن سے جو آمین بالجہر والی روایت منقول ہے وہ معلل و نامقبول ہے۔ اس میں بھی ابوالولید سے پہلے کے کسی راوی سے خطا ہوئی ہے۔ اغلب یہی ہے کہ اس کے راوی ابراہیم بن مرزوق جنہوں نے ابوالولید سے روایت کی ہے، سے خطا ہوئی ہے۔ کیوں کہ ابراہیم بن مرزوق بصری متوفی 270ھ اگرچہ ثقہ تھے لیکن روایت کرنے میں اُن سے خطا ہوتی تھی اور متنبہ کرنے پر بھی وہ رجوع نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ذہبی نے اُن کے تعلق سے یہ فرمایا ہے:

قَالَ الدَّار قُطنِی : ثِقَةٌ لٰكِنَّهُ يُخطِي وَيُصِرُّ وَلَا يَرجِعُ۔

ترجمہ: دار قطنی نے کہا کہ ابراہیم بن مرزوق ثقہ تھے لیکن خطا کرتے تھے اور اس پر اڑے رہتے تھے، رجوع نہیں کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال 1 / 65)

صحیح یہ ہے کہ ابراہیم بن مرزوق بصری کی حدیث فی نفسہ درجۂ حسن میں ہوتی ہے لیکن جب صحیح وراجح حدیث کی معارض ہو تو نا مقبول ہوگی۔ ابراہیم بن مرزوق کی شعبہ والی روایت جس میں آمین بالجہر کا ذکر ہے وہ شعبہ کی اُس صحیح وراجح روایت کی معارض ہے جس میں آمین بالسر کا ذکر ہے لہذا ابراہیم بن مرزوق سے شعبہ کی جو روایت آمین بالجہر سے متعلق منقول ہے وہ مرجوح ونا مقبول ہے اور اگر بالفرض شعبہ کی روایت میں رافعا بہ صوتہ کے الفاظ صحیح ہوں اور اس سے معترض یہ استدلال کرے کہ بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے تو معترض کے پاس اُس روایت کا کیا جواب ہے جو سالم بن عبداللہ اور نافع سے مروی ہے:

اِنَّ عُمَرَ ابنَ الخَطَّابِ كَانَ لَايُكَبِّرُ حَتّٰى يَلتَفِتَ اِلىٰ الصُّفُوفِ وَيَعتَدِلَ فَاِذَا اِعتَدَلَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ:سُبحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمدِكَ تَبَارَكَ اسمُكَ وَتَعَالىٰ جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيرُكَ رَافِعًا بِهَا صَوتَهُ وَاِنَّ اَبَابَكرٍ الصِدِّيقَ كَانَ يَفعَلُ ذَالِكَ ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر نہیں کہتے تھے یہاں تک کہ صفوں کی طرف متوجہ ہوتے پھر اعتدال کے ساتھ کھڑے ہوتے اور تکبیر کہتے پھر بلند آواز سے سبحانک اللھم الخ پڑھتے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (الجامع لابن وھب 1 / 233)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما بلند آواز سے سبحانک اللھم وبحمدک پڑھتے تھے، تو کیا معترض یہ کہے گا کہ بلند آواز سے ثنا پڑھنا سنت ہے؟ ظاہر ہے حضرت عمر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا بلند آواز سے ثنا پڑھنا بطور تعلیم وترغیب تھا تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ حضور ﷺ اور بعض صحابہ کا بلند آواز سے آمین کہنا

بھی بطور تعلیم تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی صراحت بھی موجود ہے؟؟

اعتراض:(5) یہ کہنا غلط ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا بطور تعلیم تھا۔ کیوں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام بھی اتنی اونچی آواز سے آمین کہتے تھے کہ پوری مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کہا تو آمین کہا، یہاں تک کہ پہلی صف کے لوگوں نے اسے سنا اور اس سے مسجد میں گونج پیدا ہوگئی (سنن ابن ماجہ 1/278)

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس کا راوی بشر بن رافع الحارثی ضعیف ہے۔

☆ **امام احمد بن حنبل نے فرمایا:** لَیسَ بِشَئیٍ ، ضَعِیفُ الحَدِیثِ۔ ترجمہ: بشر بن رافع الحارثی کچھ نہیں، ضعیف الحدیث ہیں۔

☆ **امام بخاری نے فرمایا:** بِشرُ بنُ رَافِعٍ لَایُتَابَعُ فِی حَدِیثِہٖ ۔ ترجمہ: بشر بن رافع کی حدیث کی کوئی متابع حدیث موجود نہیں۔

☆ **امام ترمذی نے فرمایا:** بشربن رافع یُضَعَّفُ فِی الحَدِیثِ۔ ترجمہ: بشر بن رافع حدیث میں ضعیف ہیں۔

☆ **ابو حاتم نے فرمایا:** اَبُو الاَسبَاطِ بشر بن رافع الحَارَثِی ضَعِیفُ الحَدِیثِ ، مُنکَرُ الحَدِیثِ لَانَریٰ لَہُ حَدِیثاً قَائِماً۔ ترجمہ: ابو الاسباط بشر بن رافع الحارثی ضعیف الحدیث، منکر الحدیث ہے۔ ہم اس کی کسی حدیث کو درست نہیں سمجھتے۔

☆ **حاکم ابو احمد الحافظ نے کہا:** ابو الاسباط بشر بن رافع الحارثی الیمانی لَیسَ

بِالقَوِی عِندَھُم ۔ ترجمہ: ابوالاسباط بشر بن رافع الحارثی الیمانی محدثین کے نزدیک قوی نہیں (تہذیب الکمال 121/4)

☆ نسائی نے کہا: لیس بالقوی ۔ بشر بن رافع قوی نہیں۔ وقال ضعیف ۔ اور ایک مقام پر ضعیف کہا۔

☆ ابن عدی نے کہا کہ اگر بشر بن رافع ہی ابوالاسباط ہیں تب تو ان کا ضعیف ہونا ظاہر ہے اور اگر بعض کے کہنے کے مطابق بشر و ابوالاسباط دو فرد ہیں تو بشر کی احادیث ابوالاسباط کی احادیث سے زیادہ منکر ہیں۔ (الکامل فی الضعفاء 1/167)

☆ دارقطنی نے کہا: مُنکَرُ الحَدیثِ۔ بشر بن رافع الحارثی ابوالاسباط منکر الحدیث ہیں۔ (الضعفاء والمتروکون 124)

☆ علامہ ذہبی نے کہا: بشر بن رافع ابوالاسباط قابل حجت نہیں۔ (دیوان الضعفاء 1/48)

معلوم ہوا کہ سنن ابن ماجہ کے حوالے سے آمین بالجہر کی جو حدیث ذکر کی گئی وہ ضعیف و نا قابل حجت ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم شیخ البانی نے بھی حاشیہ ابن ماجہ میں اس کو ضعیف لکھا ہے۔ علاوہ ازیں یہی روایت بشر بن رافع سے مسند ابو یعلی الموصلی میں ہے تو اس میں صرف اتنا ہے۔ قال آمین یَسمَعُ الصَفُّ الاَوَّلُ۔ حضور نے اتنی آواز سے آمین کہی کہ پہلی صف نے سنا۔ اس میں مسجد کے گونجنے کا ذکر نہیں۔ (ابو یعلی 11/89)

اور اگر اِس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اِس میں کہیں اشارۃ بھی یہ بات مذکور نہیں کہ حضور ﷺ ہمیشہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے اور تمام صحابہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، یہاں تک کہ مسجد گونج جاتی تھی، بلکہ اس کے خلاف حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گزرا کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تعلیم دینے کے لئے بلند آواز سے آمین کہی۔

اعتراض: (6) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی روایت سنن بیہقی میں ہے تو اس میں ہے: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَافَرَغَ مِن قِرَأَةِ اُمِّ القُرآنِ رَفَعَ صَوتَهُ فَقَالَ آمين۔ رسول اللہ ﷺ جب سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ اس حدیث کی سند کو بیہقی نے حسن کہا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ میں اسحاق بن ابراہیم الزبیدی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا یہ دعوی نہیں کہ آمین بالجہر کی ہر روایت سندا ضعیف اور نامقبول ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اگرچہ آمین بالجہر کی بعض روایت سندا صحیح ہے پھر بھی اس کے مقابلے میں آمین بالسر والی روایت عملا قوی وراجح ہے۔ کیوں کہ:

اولاً: آمین دعا ہے اور نص قرآنی کے بموجب دعا میں اخفاء مستحب ہے۔

چناں چہ علامہ دسوقی مالکی نے باب قنوت میں لکھا:

وَاِنَّمَا نُدِبَ الِاسرَارُ بِهٖ لِاَنَّهُ دُعَاءٌ وَهُوَيُندَبُ الِاسرَارُبِهٖ حِذراً مِنَ الرِّيَا ۔

ترجمہ: قنوت کو آہستہ پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ وہ دعا ہے اور دعا کو آہستہ کرنا ریا سے بچنے کے لئے مستحب ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی 1/ 248)

ثانیا: آمین نہ سورہ فاتحہ کا جز ہے نہ قرآن کا۔ لہذا جس طرح اعوذ باللہ، بسم اللہ کو فاتحہ کے ساتھ بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا اُسی طرح آمین بھی بلند آواز سے نہیں کہنا چاہئے۔

ثالثا: حضور سے آمین بالجہر کی روایت کو نقل کرنے والے صحابی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی صراحت کردی ہے کہ حضور کا بلند آواز سے آمین کہنا ہمیں تعلیم دینے

کے لئے تھا، اور انہوں نے حضور کو تین بار آمین کہتے ہوئے سنا ہے۔اس سے اس کا دائمی عمل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

رابعا: آمین بالسر والی روایت کو خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ کرام کے عمل سے تائید حاصل ہے، کیوں کہ گزشتہ صفحات میں گزار کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور کثیر کوفی صحابہ کرام وتابعین آہستہ آمین کہا کرتے تھے۔ اِن وجوہ کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ آمین بالسر والی روایت عملا قوی وراجح ہے اور جس روایت میں آمین بالجہر منقول ہے وہ تعلیم وجواز پر محمول ہے۔

اگر معترض، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کی بنا پر آمین بالجہر کو مسنون قرار دیتا ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اُس روایت کا کیا جواب ہوگا جو السنن الکبریٰ بیہقی ہی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی امامت کی تو سمع الله لمن حمده کے ساتھ بلند آواز سے اللهم ربنا لك الحمد بھی کہا اور مقتدیوں نے بھی بلند آواز سے کہا؟

روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ سَعِيدِ بنِ اَبِى سَعِيدٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيرَةَ وَهُوَاِمامُ النَّاسِ فِى الصَّلاةِ يَقُولُ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الحَمدُاَللّٰهُ اَكبَرُيَرفَعُ بِذَالِكَ صَوتَهُ وَنُتَابِعُهُ مَعًا۔

ترجمہ: سعید بن ابی سعید سے روایت ہے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد ، الله اكبر بلند آواز سے کہتے ہوئے سنا، وہ لوگوں کے امام تھے اور ہم ان کے ساتھ ساتھ کہتے تھے۔ (السنن الکبری للبیہقی 2/138)

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے اللھم ربنا

لک الحمد کہا اور مقتدیوں نے بھی کہا، تو کیا معترض یہ کہے گا کہ بلند آواز سے امام اور مقتدیوں کو ربنا لک الحمد کہنا مسنون ہے؟ حضرت ابوہریرہ کی اِس روایت کا جو جواب معترض دے گا، ہمارا بھی آمین بالجہر کے تعلق سے وہی جواب ہوگا۔ علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث مستدرک حاکم میں حدیث نمبر 849 کے تحت مذکور ہے۔ نعیم مُجمِر کہتے ہیں: کُنتُ وَرَاءَ اَبِی هُرَیرَةَ فَقَرَأَ بسم الله الرحمن الرحیم الخ۔ میں ابوہریرہ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا تو انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا پھر امّ القرآن (فاتحہ) کی قرأت کی۔ تو کیا معترض یہ بھی کہے گا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے کہنا مسنون ہے؟ ظاہر ہے حضرت ابوہریرہ کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے کہنا بطورِ تعلیم تھا۔ اسی طرح یہ بھی کہا جائے گا کہ حضرت ابوہریرہ کا بلند آواز سے آمین کہنا تعلیم کے لئے تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ کہنا یا آمین کہنا، یا ربنا لک الحمد کہنا بطورِ تعلیم تھا، اس تاویل کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ جہاں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی روایت منقول ہے وہاں انہوں نے نماز کے بعد لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے: ''اِنِّی لَاَشبَهُکُم صَلَاةً بِرَسولِ اللّٰهِ ﷺ'' میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے رسول ﷺ کی نماز کی مشابہ نماز پڑھنے والا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن سے بلند آواز سے آمین کہنے کی جو روایت منقول ہے اُس سے مراد بطورِ تعلیم بلند آواز سے آمین کہنا ہے۔

اعتراض: (7) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا دائمی عمل تھا۔ کیوں کہ روایت کے الفاظ ہیں: کان رسول الله ﷺ الخ یعنی رسول اللہ ﷺ غیر المغضوب علیهم و لا الضالین پڑھ کر

فارغ ہوتے تھے تو بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔لفظ کَانَ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ حضور ہمیشہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

جواب: یہ سمجھنا غلط ہے کہ جب بھی لفظ کَانَ فعل پر داخل ہوتا ہے تو اس سے دوام وہمیشگی کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔صحیح یہ ہے کہ جس فعل پر لفظ کَانَ داخل ہوتا ہے وہ فعل اگر ایک یا چند بار بار واقع ہوا ہو تو بھی اس پر کَانَ کا داخل ہونا صحیح ہوتا ہے۔چناں چہ بخاری کی ایک حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں:

کُنتُ اُطَیِّبُ رَسولَ اللّٰہِ ﷺ لِاِحرَامِہٖ حِینَ یُحرِمُ ۔ ترجمہ: میں رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی جب کہ آپ احرام باندھتے تھے۔

اس کی شرح میں شارح بخاری ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وَاستُدِلَّ بِقَولِھَا کُنتُ اُطَیِّبُ عَلیٰ اَنَّ کَانَ لَا یَقتَضِی التَکرَارَ لِاَنَّھَا لَم یَقَع مِنھَا اِلَّا مَرَّۃً وَاحِدَۃً۔

ترجمہ: حضرت عائشہ کے قول کنت اطیّب سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ کَان تکرار کا مقتضی نہیں، کیوں کہ حضرت عائشہ کی طرف سے یہ فعل صرف ایک بار واقع ہوا ہے۔

پھر آگے نووی کے حوالے سے لکھا:

اَلمُختَارُ اَنَّھَا لَا تَقتَضِی تَکرَاراً وَلَا اِستِمرَاراً ۔ پسندیدہ قول یہ ہے کہ کَان نہ تکرار کا مقتضی ہے اور نہ دوام کا۔(فتح الباری 3/398)

اگر کان کو تکرار کے لئے مان لیا جائے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو بھی یہ بات مسلم ہے کہ اس سے دوام واستمرار اسی وقت مراد ہوگا جب کہ دوام واستمرار پر کوئی قرینہ موجود ہو مثلا کسی کا کوئی فعل اس کا امتیازی وصف ہو جس کا اس سے بار بار صادر ہونا معروف ومشہور ہو تو

اس وقت تکرار و دوام مراد ہوگا۔ جیسا کہ کہا جائے کَانَ حَاتِمٌ یَقرِی الضَیفَ ۔ (حاتم مہمان نوازی کرتا تھا) تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ حاتم نے ایک بار مہمان نوازی کی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حاتم برابر مہمان نوازی کیا کرتا تھا۔ تکرار و دوام کا یہ معنی کَانَ کے وضع معنی کے اعتبار سے حاصل نہیں ہوا بلکہ خارج لازم کی بنا پر ہوا۔ اس بات کے ثبوت پر کوئی ایک صحیح و مضبوط دلیل موجود نہیں کہ حضور ﷺ نے تا حیات نماز میں بلند آواز سے آمین کہی ہے، لہذ الفظ کَانَ سے یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ بلند آواز سے آمین کہنا حضور کا دائمی عمل تھا۔

اعتراض: (8) مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن الزبیر سے اور عکرمہ سے اور السنن الکبریٰ للبیہقی میں عطاء سے مروی ہے کہ صحابۂ کرام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین کے بعد بلند آواز سے آمین کہتے تھے یہاں تک کہ مسجد گونج جاتی تھی۔ عطا کا یہ قول ہے کہ میں نے دوسو صحابہ کو مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے سنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور صحابۂ کرام کا عمل بلند آواز سے آمین کہنا تھا اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضور ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا تعلیم کے لئے نہیں تھا ورنہ آپ کے بعد بلند آواز سے صحابۂ کرام کیوں آمین کہتے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ جو حضرات آہستہ آمین کہنے کے قائل ہیں وہ بلند آواز سے آمین کہنے کو ناجائز و حرام نہیں کہتے، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے۔ ہاں جو بلند آواز سے آمین کہنے کو فرض و واجب کہتے ہیں اور آہستہ آمین کہنے والوں کو مخالفِ سنت و منکرِ حدیث کہتے ہیں جیسا کہ غیر مقلدین واہل حدیث کا طریقہ ہے تو ایسے لوگوں کا یہ طرز عمل ناپسندیدہ و مذموم ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ حضور ﷺ اور بعض صحابہ سے بلند آواز سے آمین کہنا منقول نہیں۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ آہستہ آمین کہنا افضل و مستحب ہے۔ بلند آواز سے آمین کہنا

حضور ﷺ کا دائمی عمل نہیں تھا، کیوں کہ آپ کا آہستہ آمین کہنا بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ کبھی آپ نے تعلیم وترغیب کے لئے بلند آواز سے آمین کہی ہے۔ رہی بات یہ کہ بعض صحابہ نے بھی بلند آواز سے آمین کہی ہے تو انہوں نے بھی دوسروں کو ترغیب دینے کے لئے بلند آواز سے کبھی آمین کہی ہے۔ حضرت عطا کے قول میں یہ ذکر نہیں کہ انہوں نے ہمیشہ صحابۂ کرام کو بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے سنا۔ ایسا ہوا ہوگا کہ مسجد میں کبھی سو دو سو صحابہ رہے ہوں اور انہوں نے بلند آواز سے آمین کہی ہو۔ اس سے اس کا جواز ثابت ہوا، یہ نہیں ثابت ہوا کہ جمہور صحابۂ کرام نے ہمیشہ بلند آواز سے آمین کہی ہے، کہ اِس سے بلند آواز سے آمین کہنے کا سنت یا مستحب ہونا ثابت ہو۔ اگر ایک بار مسجد میں دوسو صحابہ کو بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے دیکھنے سے آمین بالجہر کا سنت ہونا ثابت ہو جائے تو اکابر صحابۂ کرام مثلاً حضرت ابن مسعود، حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، اور سینکڑوں اہل کوفہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے آمین بالسر کے عمل سے آمین بالسر کا سنت ہونا کیوں نہیں ثابت ہوگا جب کہ اس کو نص قرآنی کی تائید بھی حاصل ہے؟؟ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قول یا عمل سے اگر آمین بالجہر کے اولیٰ ومستحب ہونے پر استدلال کرنا درست ہو تو کیا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بھی بلند آواز سے کہنا افضل ومستحب ہوگا؟ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر سے الحمد للہ رب العالمین کی قرأت سے پہلے بسم اللہ بلند آواز سے کہنا بھی منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابن زبیر کبھی کبھار بیان جواز اور تعلیم وترغیب کے لئے اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح بعض صحابۂ کرام اور خود حضور ﷺ کا کبھی کبھار بلند آواز سے آمین کہنا بیان جواز اور تعلیم وترغیب کے لئے تھا۔

چنانچہ امام زیلعی نے خطیب بغدادی کے حوالے سے بکر بن عبداللہ المزنی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز

سے پڑھتے تھے۔اس تعلق سے ابن عبدالہادی نے کہا: اس روایت کی سند صحیح ہے لیکن اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن زبیر اس بات کے اعلان اور تعلیم کے لئے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے کہ بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔حضرت ابن الزبیر کے عمل کو نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی افضلیت پر محمول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ خلفاء راشدین آہستہ بسم اللہ پڑھا کرتے تھے۔(نصب الرایہ ملخصا 1 /357)

یہی توجیہ آمین بالجہر کے تعلق سے حضرت ابن زبیر کی روایت کی، کی جائے گی کہ حضرت ابن زبیر نے یا بعض صحابہ نے کبھی بلند آواز سے آمین کہی اس بات کی تعلیم وترغیب کے لئے کہ آمین کہنا سنت ہے، اس کو نہ چھوڑا جائے۔ان کے عمل کو آمین بالجہر کی افضلیت پر محمول کرنا درست نہیں ہوگا، کیوں کہ خود حضور ﷺ، اکابر صحابۂ کرام وخلفاء راشدین آہستہ آمین کہتے تھے۔نیز حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جن سے آمین بالجہر اور آمین بالسر کی مرفوع حدیث مروی ہے اُن کا قول ہے کہ حضور نے تعلیم کی غرض سے بلند آواز سے آمین کہی ہے۔

اعتراض (9): صحیح بخاری ومسلم میں ہے : وَاِذَا قَالَ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا الضَّالِّیۡنَ فَقُوۡلُوۡا اٰمِیۡنُ ۔جب امام غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّالِّیۡنَ کہے تو تم اٰمِیۡنُ کہو۔ فَقُوۡلُوۡا اٰمِیۡنُ میں لفظِ قول، آمین بالجہر پر دال ہے۔کیوں کہ جب مطلق قول بولا جاتا ہے تو بلند آواز سے بولنا مراد ہوتا ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ بلند آواز سے آمین کہنا چاہئے۔

جواب: یہ اصول غلط ہے کہ جہاں بلا قید لفظِ قول مذکور ہو تو اس سے مراد بلند آواز سے بولنا ہوتا ہے۔صحیح یہ ہے کہ لفظ قول کا استعمال حقیقۃ زبان سے کلمات کی ادائیگی کے لئے ہوتا ہے، خواہ آہستہ تلفظ ہو یا بلند آواز سے۔اگر زبان سے تلفظ نہ ہو تو اسے حدیثِ نفس (دل کی بات) کہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لفظِ قول جب قیدِ نفس سے مقید ہو یا کوئی قرینہ ہو تو اس سے مراد حدیثِ نفس ہوتی ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے قَالَ فِیۡ نَفۡسِہٖ۔حضرت عمر نے

اپنے دل میں کہا۔(الشریعۃ للآجری، ۳۴۶/۱)قُلْتُ فِیْ نَفْسِیْ۔میں نے اپنے دل میں کہا۔(ترمذی، ۴۲۰/۵) لفظ قول کے حقیقی معنیٰ میں نہ جہر کا معنیٰ داخل ہے نہ اخفاء کا۔ جہر یا اخفاء خارجی اوصاف یا قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ کبھی لفظ قول کے ساتھ جہر یا اس کا ہم معنیٰ لفظ لایا جاتا ہے اور کبھی لفظ قول کے ساتھ اخفاء یا اس کا ہم معنیٰ لفظ ذکر کیا جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۔یقیناً اللہ تعالیٰ تمہاری آواز والی بات کو جانتا ہے اور اس کو جو تم چھپاتے ہو (الانبیاء ۱۱۰)۔وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔تم اپنی بات کو پوشیدہ رکھو یا آواز سے بولو، یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کی چیزوں کو جانتا ہے۔(الملک، ۱۳)

حدیث پاک میں قَالَ آمِیْنُ کے بعد رَفَعَ بِھَا صَوْتَهٗ (بلند آواز سے آمین کہی) اور خَفَضَ بِھَا صَوْتَهٗ (پست آواز سے آمین کہی) الفاظ مذکور ہیں۔اگر لفظ قول کا حقیقی معنیٰ بلند آواز سے بولنا ہے تو پھر اس کے ساتھ رَفَعَ بِھَا صَوْتَهٗ کے الفاظ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس کے ساتھ خَفَضَ بِھَا صَوْتَهٗ کے الفاظ ذکر کرنے کا کیا مطلب؟

قرآنی نصوص اور احادیث سے معلوم ہوا کہ لفظِ قول، آہستہ اور بلند آواز سے بولنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اس کا حقیقی معنیٰ ہے، زبان سے بولی ہوئی بات، چاہے آہستہ بولی ہوئی ہو یا بلند آواز سے۔لہٰذا معترض کا یہ کہنا غلط ہے کہ لفظِ قول جب مطلقا بولا جائے تو اس سے بلند آواز سے بولنا مراد ہوگا، اور جہاں بھی حدیث میں قَالَ آمِیْنُ ہے اس سے مراد آمین بالجہر ہے۔

اگر معترض کی بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ جہاں حدیث میں قَالَ آمِیْنُ کے الفاظ مذکور ہیں وہاں آمین بالجہر مراد ہے، کیوں کہ قال کا معنیٰ بلند آواز سے بولنا ہے تو معترض سے ہمارا سوال یہ ہوگا کہ حدیث شریف میں ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ الخ ۔جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے تھے تو سبحانک اللھم وبحمدک الخ

کہتے تھے۔(سنن نسائی ۱۳۲/۲)۔ یہاں بھی قَالَ ہے اگر قَالَ کا معنیٰ بلند آواز سے کہنا ہے تو کیا معترض یہ کہے گا کہ نماز میں بلند آواز سے سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ پڑھنا سنت ہے؟ اگر یہاں قَالَ کا معنیٰ بلند آواز سے کہنا نہیں اور بلند آواز سے سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ کہنا سنت نہیں تو قَالَ آمِیْنَ سے بلند آواز سے آمین کہنا مراد کیوں ہوگا اور آمین بالجہر سنت کیوں ہوگی؟

اعتراض (10): حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ان النبی ﷺ لَمَّا قَرَأَ وَ لَا الضَّالِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ وَ رَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ۔ نبی کریم ﷺ نے جب ولا الضالین پڑھا تو بلند آواز سے آمین کہی۔(المعجم الاوسط ۳۶۲/۵)

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف متروک ہے۔ اس کا راوی ضرار بن صرد التیمی ابو نعیم الطحان کوفی المتوفیٰ ۲۲۹ھ کے تعلق سے ناقدین حدیث کی آرا ملاحظہ کریں۔

☆ ابوحاتم نے کہا: صَدُوْقٌ لَا یُحْتَجُّ بِہٖ۔ وہ صدوق تھے لیکن ان کی حدیث حجت نہیں۔

☆ بخاری نے انھیں متروک کہا۔ پھر بھی 'افعال العباد' میں ان سے روایت لی ہے۔

☆ یحیٰ ابن معین نے کہا: بِالْکُوْفَۃِ کَذَّابَانِ ھُوَ وَ اَبُوْ نُعَیْمِ النَّخَعِیُّ۔ کوفہ میں دو کذاب ہیں، ضرار بن صرد التیمی اور ابو نعیم النخعی۔

☆ ذہبی نے ان کی منکر روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک روایت کے بارے میں یہ لکھا ہے: وَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مَوْضُوْعٌ۔ یہ من گڑھت حدیث ہے۔

☆ نیز بخاری کے حوالے سے متروک الحدیث اور ابن معین کے حوالے سے کذاب لکھا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ۵۸۹/۵، المغنی، ۳۱۲/۱)

☆ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: ضَعَّفُوْہُ۔ محدثین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔(لسان المیزان، ۳۲۹/۹)

☆ عقیلی نے کہا: مِنْ جُمْلَۃِ الضُّعَفَاءِ۔ وہ ضعیف راویوں میں سے ہے۔

☆ساجی نے کہا: عِندَهٗ مَنَاكِيرُ۔ان کے یہاں منکر روایات ہیں۔

☆ابن حبان نے کہا: كَانَ فَقِيهًا عَالِمًا بِالْفَرَائِضِ اِلَّا اَنَّهٗ يَرْوِی الْمَقْلُوبَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ حَتّٰى اِذَا سَمِعَهَا مَنْ كَانَ دَخِيلًا فِی الْعِلْمِ شَهِدَ عَلَيْهِ بِالْجَرْحِ وَ الْوَهْنِ۔ ضرار بن صرد فقیہ، عالمِ فرائض تھے مگر ثقہ راویوں سے الٹ پھیر کر کے روایات ذکر کرتے تھے، یہاں تک کہ علم میں مہارت رکھنے والے ان کے خلاف جرح اور ضعف کی گواہی دیتے تھے۔

☆دارقطنی اور ابن قانع نے کہا: كُوفِیٌّ ضَعِيفٌ۔وہ کوفی ضعیف تھے۔ابن قانع نے یہ بھی کہا کہ وہ شیعیت کی طرف مائل تھے۔

☆ابو محمد ابن الاخضر نے مشیخۃ البغوی میں کہا: لَيْسَ بِقَوِیٍّ۔وہ قوی نہیں۔(اکمال تہذیب الکمال،۳۲/۷)

☆ابن الجوزی نے کہا: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ وَ كَانَ يَكْذِبُ۔وہ متروک الحدیث تھا اور کذب بیانی بھی کرتا تھا۔

☆نسائی نے کہا: وہ متروک الحدیث ہے۔(الضعفاء والمتروکون،۶۰/۲)

☆ابن عدی نے ابن حماد کے حوالے سے کہا: ضِرَارُ بْنُ صُرَدٍ اَبُو نُعَيْمٍ الْكُوفِیُّ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ۔ضرار بن صرد ابونعیم کوفی متروک الحدیث ہے۔(الکامل فی ضعفاء الرجال،۱۶۱/۵)

☆ابن شاہین نے کہا: اَبُو نُعَيْمٍ ضِرَارُ بْنُ صُرَدٍ كَذَّابٌ يَسْرِقُ الْاَحَادِيثَ فَيَرْوِيهَا۔ابونعیم ضرار بن صرد کذاب تھا، احادیث چرا کر روایت کرتا تھا۔(تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین،۱۱۳/۱)

☆یحیی حمّانی نے کہا: لَا يُكْتَبُ عَنْ ضِرَارٍ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بِثِقَةٍ۔ضرار سے حدیث نہیں لکھی جائے گی کیوں کہ وہ ثقہ نہیں۔(ایضا)

معلوم ہوا کہ آمین بالجہر کی یہ روایت سنداً نامقبول و متروک ہے۔

اعتراض (11): حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہی روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے،

اس کی سند میں کوئی راوی مجروح نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت متناً مقبول و صحیح ہے۔

جواب: سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حُجَیّہ بن عدی کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،اس کی سند اگرچہ حسن ہے لیکن اس میں یہ الفاظ ہیں، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِذَا قَالَ وَ لَا الضَّالِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ ۔میں نے سنا: رسول اللہ ﷺ نے جب وَ لَا الضَّالِّیْنَ کہا تو آمِیْنَ کہا۔اس میں اشارۃً بھی یہ ذکر نہیں کہ حضور ﷺ نے جب جب ولا الضالین کہا پھر آمین کہا تو حضرت علی نے آپ کو آمین کہتے ہوئے سنا۔اگر حضور سے ایک مرتبہ بھی آمین سنی ہے تو حضرت علی کا سَمِعْتُ (میں نے سنا) کہنا درست ہے۔حضرت علی کی روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ میں نے ہمیشہ آپ سے آمین کی آواز سنی ہے۔لہذا اس سے آمین بالجہر کا نفسِ جواز ثابت ہوتا ہے، جس کا احناف انکار نہیں کرتے۔رہی بات یہ کہ اس سے آمین بالجہر کا مستحب ہونا یا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے تو اس روایت میں اس کا ثبوت نہیں۔اگر بلند آواز سے آمین کہنا مستحب یا سنت ہوتا تو خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل اس کے خلاف آمین بالسر کا نہ ہوتا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود آہستہ آمین کہتے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کا بلند آواز سے آمین کہنا دائمی عمل نہیں تھا بلکہ کبھی کبھار تعلیم و ترغیب کے لئے آپ نے بلند آواز سے آمین کہی ہے۔جیسا کہ اس کے شواہد گذشتہ صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ حضرت علی نے حضور کو لا الضالین کے بعد آمین کہتے ہوئے سنا، اس سے بلند آواز سے آمین کہنے کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اگر ایسا ہے تو معترض کے پاس اُس حدیث کا کیا جواب ہوگا جو سنن نسائی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: کُنَّا نُصَلِّیْ خَلْفَ النَّبِیِّ ﷺ الظُّھْرَ فَنَسْمَعُ مِنْہُ الآیَۃَ بَعْدَ آیَۃٍ مِّنْ سُوْرَۃِ لُقْمَانَ وَ الذَّارِیَاتِ. ہم نبی اکرم ﷺ کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھتے تھے تو سورۂ لقمان اور الذاریات کی ایک آیت کے بعد دوسری آیت سنتے تھے اور ابن خزیمہ کی روایت کے مطابق حضرت انس فرماتے ہیں کہ سورۂ سَبِّحِ اسْمَ

رَبِّكَ الْاَعْلٰى اورهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ کی ایک دو آیت سنتے تھے۔تو کیا معترض یہ کہے گا کہ ظہر کی نماز میں امام کا ایک دو آیت کو زور سے پڑھنا سنت ہے؟؟ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھار تعلیم کے لئے ایسا کیا ہے،تو اس سے یہ ثابت کرنا درست نہیں کہ سرّی نماز میں ایک دو آیت کو بلند آواز سے پڑھنا چاہئے۔اسی طرح حضور نے تعلیم کی غرض سے کبھی کبھار بلند آواز سے آمین کہی ہے تو اس سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہوگا کہ بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ کہنا خلاف سنت ہے۔اگر آہستہ آمین کہنا خلاف سنت ہوتا تو جمہور صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین اور ائمۂ مجتہدین آہستہ آمین کہنے کو مستحب و افضل قرار نہ دیتے۔

اعتراض (12): نص قرآنی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۔(اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑا کر اور آہستہ) سے نماز میں آہستہ آمین کہنے کے مستحب ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔ یہ استدلال اُس وقت درست ہوتا جب کہ بلند آواز سے آمین کہنے پر کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہوتی۔ بلند آواز سے آمین کہنے پر صحیح حدیث موجود ہے تو آمین کو دعا ہونے کے باوجود بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔ کیوں کہ صحیح حدیث نے اس کو نص کے عموم سے خاص کر دیا ہے۔

جواب: بلند آواز سے دعا کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن اس بات پر تمام علماء دین کا اتفاق ہے کہ آہستہ دعا کرنا افضل ہے۔قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آہستہ دعا کرنے کی ترغیب موجود ہے اور اس کی مدح بھی۔

چنانچہ سورۃ الاعراف آیت ۵۵ میں ہے: ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑا کر اور آہستہ۔سورۃ الانعام آیت ۶۳ میں ہے: ترجمہ: آپ فرما دیجئے کون ہے جو تمہیں بحر و بر کی ظلمتوں سے نجات دیتا ہے؟ جب تم اسے گڑگڑا کر اور آہستہ پکارتے ہو۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبرسنی کے عالم میں طلبِ اولاد کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی تو آہستہ کی تھی،جس کی مدح بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ

نَـادیٰ رَبَّـهٗ نِدَاءً خَفِيًّـا ۔یاد کرو اس وقت کو جب زکریا نے اپنے رب سے آہستہ دعا کی تھی۔اس ضمن میں جمہور مفسرین کا قول ذکر کرتے ہوئے ابن کثیر لکھتے ہیں:

اِنَّـمَـا اَخْـفَاهُ لِاَنَّهٗ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ كَمَا قَالَ قَتَادَةُ فِیْ هٰذِهِ الْآيَةِ "اِذْ نَادیٰ رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا" اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ الْقَلْبَ التَّقِيَّ وَ يَسْمَعُ الصَّوْتَ الْخَفِيَّ۔

ترجمہ: حضرت زکریا نے آہستہ دعا کی تھی، کیوں کہ اللہ کو یہ چیز زیادہ پسند ہے۔جیسا کہ قتادہ نے اِس آیت (اِذْ نَادیٰ رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا) کے تعلق سے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تقویٰ والے دل کو جانتا ہے اور مخفی آواز (دعا) کو سنتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر ۲۱۱/۵)

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔جس طرح دوسری چیزوں میں حد سے بڑھنا اللہ کو ناپسند ہے، اسی طرح دعا میں بھی حد سے تجاوز کرنا اللہ کو پسند نہیں۔ بہت بلند آواز سے چیخ چیخ کر دعا کرنا بھی دعا میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔چنانچہ ابن کثیر نے ابن جریج سے نقل کیا ہے: يُكْـرَهُ رَفْـعُ الصَّوْتِ وَ النِّدَاءِ وَالصِّيَاحُ فِی الدُّعَاءِ وَ يُـؤْمَـرُ بِالتَّضُرُّعِ وَ الْاِسْتِكَانَةِ ۔ترجمہ: دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا، پکارنا مکروہ ہے۔دعا میں تضرع و عاجزی کے اظہار کا حکم ہے۔(تفسیر ابن کثیر ۳۸۴/۳)

حضرت حسن بصری کا قول ہے: بَيْـنَ دَعْـوَةِ السِّـرِّ وَ دَعْـوَةِ الْـعَلَانِيَةِ سَبْـعُوْنَ ضِعْفًا۔آہستہ دعا اور اعلانیہ دعا کے درمیان ستر درجوں کا فرق ہے۔(تفسیر بغوی ۱۹۸/۲)

رسول اکرم ﷺ نے دعا کے آداب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: اَيُّـهَـا الـنَّـاسُ اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ۔اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ (چیخ چیخ کر اللہ کو نہ پکارو) تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو۔(صحیح بخاری کتاب المغازی)

امام رازی نے فرمایا: فَـكَـانَ الْاَوْلـىٰ اِخْـفَاءُ الدُّعَاءِ لِيَبْقىٰ مَصُوْنًا عَنِ الرِّيَاءِ ۔ آہستہ دعا کرنا افضل ہے تاکہ وہ ریاکاری سے محفوظ رہے۔(تفسیر کبیر ۲۸۱/۱۴)

امام رازی نے مزید لکھا: اِنَّـمَا تَدُلُّ عَلىٰ اَنَّهٗ تَعَالىٰ اَمَرَ بِالدُّعَاءِ مَقْرُوْنًا بِالْاِخْفَاءِ

وَ ظَاهِرُ الْاَمْرِ الْوُجُوْبُ فَاِنْ لَّمْ يَحْصُلِ الْوُجُوْبُ فَلَا اَقَلُّ مِنْ كَوْنِهٖ نُدُبًا ۔(ایضا)

ترجمہ: آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آہستہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور امر کا ظاہر معنیٰ وجوب ہے۔ اگر وجوب نہ ہو تو کم از کم استحباب ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دعا آہستہ کرنا افضل ہے اور آمین دعا ہے، لہذا اسے بھی آہستہ کہنا افضل و مستحب ہے۔ اب اگر معترض یہ کہے کہ صحیح حدیث کی بنا پر عام دعاؤں سے آمین مستثنیٰ ہے، تو ہم کہیں گے کہ آہستہ دعا کرنے کی افضلیت پر نص قرآنی شاہد ہے۔ نص کا عموم یہ چاہتا ہے کہ اس میں آمین بھی داخل ہو۔ اگر معترض آمین کو اس عموم سے خارج کرنا چاہتا ہے اور بلند آواز سے آمین کو مستحب یا سنت قرار دیتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس عموم سے آمین کو خارج کرنے کے لئے کوئی نص قرآنی لائے یا اس کی طرح قطعی الثبوت دلیل لائے۔ ایسی کوئی دلیل معترض کے پاس نہیں۔ نہ نص قرآنی ہے نہ حدیث متواتر۔ جو حدیث ہے وہ خبر واحد ہے اور ایسی دلیل نص قرآنی کی معارض نہیں بن سکتی۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہماری گفتگو نفسِ جواز پر نہیں بلکہ استحباب و افضلیت پر ہے آمین بالجہر کے جواز کے ہم منکر نہیں۔ اختلاف آمین بالجہر کے استحباب و افضلیت میں ہے اور غیر مقلدین وہابیہ نہ صرف آمین بالجہر کے استحباب و افضلیت کے قائل ہیں بلکہ گویا اس کی فرضیت و وجوب کے قائل ہیں، جبھی تو آہستہ آمین کہنے والوں کو لعن طعن کرتے اور شد و مد کے ساتھ ان کا رد کرتے ہیں اور انہیں باطل پرست کہتے ہیں۔ حالانکہ وہابیہ کے پاس آمین بالجہر کے استحباب پر کوئی دلیل موجود نہیں، چہ جائیکہ اس کی فرضیت یا وجوب یا سنت ہونے پر وہ کوئی دلیل لاسکیں۔

اعتراض (13): حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: لَا تَسْبِقْنِیْ بِآمِیْنْ ۔ اے بلال تم مجھ سے پہلے آمین نہ کہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم شیخ البانی نے اس روایت کو سنن ابو داؤد کے حاشیہ میں ضعیف لکھا ہے۔ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مقتدی امام کے آمین کہنے سے پہلے یعنی غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے پہلے آمین نہ کہے۔ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جب امام ولا الضالین کہہ کر فارغ ہو جائے تو تم آمین کہو۔ اس سے پہلے آمین نہ کہو۔

اعتراض (14): متعدد احادیث و آثار میں آمین کہنے سے متعلق لفظِ مَدِّ صَوْت (آواز کو کھینچنا) کا استعمال بھی ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آواز کو کھینچ کر اونچی آواز سے آمین کہی جائے۔

جواب: مَدِّ صَوْت کے لئے آواز کا بلند ہونا لازمی نہیں بلکہ اِخْفَاءِ صَوْت (آواز کو چھپانے) کے ساتھ بھی مَدِّ صَوْت ہو سکتا ہے۔ احناف و مالکیہ کا مذہب اخفاءِ آمین ہے لیکن اس میں مَدِّ صَوْت ضرور ہوگا۔ کیوں کہ جب آمین کا تلفظ مد کے ساتھ ہوگا تو ضرور مَدِّ صَوْت پایا جائے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اخفاءِ آمین کی صورت میں مَدِّ صَوْتِ خفی ہوگا کہ اس میں کم سے کم اتنی آواز نکلے کہ آدمی خود سن سکے۔ کیوں کہ اتنی آواز کے بغیر تلفظ ہی متحقق نہ ہوگا۔ جب تلفظ نہ ہوگا تو آمین کہنا ہی نہ پایا جائے گا۔ جب آدمی آہستہ مگر آواز کو کھینچ کر آمین کہے گا تو خود ضرور سنے گا اور ممکن ہے کہ اس کے قریب والا شخص بھی اس کی دھیمی آواز کو سن لے۔ اگر قریب والا شخص سن لے تو یہ اگرچہ جہر کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے لیکن اس پر بھی اخفاء کا اطلاق درست ہوگا، جیسا کہ رکوع و سجدہ میں تسبیح کے الفاظ کو قریب کا آدمی کبھی صاف سن لیتا ہے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تسبیح کے کلمات جہراً پڑھے گئے۔

اسی طرح اگر پست آواز سے کھینچ کر آمین کہی جائے تو کہنے والے کے ساتھ قریب کا آدمی بھی سن سکتا ہے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے آمین بلند آواز سے کہی۔ یہاں مَدِّ صَوْت پایا گیا لیکن رفع صوت کے ساتھ آمین کہنا نہیں پایا گیا۔ البتہ اسے جہر کا ادنیٰ درجہ بولا جا سکتا ہے۔ اس

صورت میں مَدِّ صَوْت اور خفضِ صَوْت دونوں جمع ہو گئے اور دونوں میں تعارض نہ رہا۔ ہاں کبھی مَدِّ صَوْت کے ساتھ رَفْعِ صَوْت (آواز اونچی کرنا) بھی پایا جا سکتا ہے۔ لیکن مدصوت کے لئے رفع صوت لازمی نہیں۔ لہذا جن روایات میں مَدَّ بِھَا صَوْتَہٗ (آواز کھینچ کر آمین کہی) الفاظ آئے ہیں ان کا یہ معنی متعین کرنا غلط ہے کہ بلند آواز سے آمین کہی۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ بعض صحابی سے جو یہ قول منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ نے وَلَا الضَّالِّین کہنے کے بعد آمین کہی، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حضور نے بلند آواز سے آمین کہی۔ لیکن یہ استدلال اس لئے درست نہیں کہ ایسا ممکن ہے کہ حضور نے پست آواز سے آمین کو کھینچ کر ادا کیا ہو اور قریب والے نے سن لیا ہو اور یہ بیان کر دیا کہ میں نے حضور کو آمین کہتے ہوئے سنا۔ پھر راوی نے اس کی تعبیر کبھی رَفَعَ صَوْتَہٗ سے، کبھی مَدَّ صَوْتَہٗ سے اور کبھی جَھَرَ صَوْتَہٗ سے کر دی۔ حالانکہ وہ خَفْضِ صَوْت تھا لیکن چوں کہ دوسرے نے سن لیا اس لئے اس کی تعبیر خَفْضِ صَوْت یا اِخفاءِ صَوْت سے نہیں کی۔ ہاں کبھی بیان جواز اور تعلیم کے لئے آپ ﷺ نے بلند آواز سے بھی آمین کہی ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں۔ اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے استحباب و افضلیت نہیں۔ مَدِّ صَوْت کے حقیقی معنیٰ میں رفع صوت داخل نہیں۔ کسی حرف کو مَدِّ صوت کے ساتھ پڑھنے کے لئے بلند آواز سے پڑھنا لازم نہیں۔ لہذا مَدَّ بِھَا صَوْتَہ کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ آمین کو آواز کھینچ کر یعنی مد ہمزہ کے ساتھ پڑھا، چنانچہ لسان العرب وغیرہ میں ہے: مَدَّ الْحَرْفَ اَیْ طَوَّلَہٗ ۔ حرف کو کھینچا یعنی اس کو لمبا کیا۔ خواہ پڑھنے میں ہو یا کتابت میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جن احادیث میں مَدَّ بِھَا صَوْتَہٗ کے الفاظ آئے ہیں ان سے آمین بالجہر کے مسنون ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کیوں کہ مَدِّ صَوْت کے لئے رَفْعِ صَوْت لازم نہیں۔ بلکہ خفضِ صَوْت کے ساتھ بھی مَدِّ صوت ہو سکتا ہے۔

اعتراض (15): مَدَّ بِھَا صَوْتَہٗ کا معنیٰ جَھَرَ بِھَا صَوْتَہٗ ہے، کیوں کہ دوسری

روایات میں رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ بھی ہے اور بعض روایات، بعض روایات کی تفسیر کرتی ہیں۔
اگر دوسری روایات میں رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ کے الفاظ نہ ہوتے تو یہ احتمال نکالنا درست ہوتا کہ اس سے مراد آواز کو کھینچ کر آہستہ آمین کہنا بھی ہوسکتا ہے۔ جب دوسری روایات میں رَفعِ صَوت کی صراحت ہے تو پھر مَدِّ صَوت سے مراد رَفعِ صَوت ہی ہوگا۔

جواب: اگر تمام روایات میں رَفعِ صَوت (بلند آواز سے آمین کہنے) کا ذکر ہوتا اور کسی صحیح روایت میں خفضِ صوت یا اخفاءِ صوت (آہستہ آمین کہنے) کے الفاظ نہ ہوتے تو یہ کہنا درست ہوتا کہ مدصوت سے مراد رَفعِ صَوت ہے۔ لیکن جب صحیح مرفوع روایات میں خَفضِ صَوت اور اِخفاءِ صَوت کے الفاظ بھی موجود ہیں تو حتمی طور پر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مَدِّ صَوت سے مراد رَفعِ صَوت ہے؟ پھر اکابر صحابہ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل بھی آہستہ آمین کہنا تھا اور اس عمل کو نص قرآنی سے بھی تائید حاصل ہے، تو مَدِّ صَوت سے خَفضِ صَوت مَعَ المَد (آواز کو کھینچ کر آہستہ آمین کہنا) مراد لینے کا احتمال، احتمال محض نہیں بلکہ احتمال ناشی عن الدلیل ہے، یعنی اس احتمال پر دلیل موجود ہے۔ لہذا مَدِّ صَوت سے خَفضِ صَوت مراد لینے کے احتمال کو باطل قرار دینا غلط ہے۔

اعتراض (16): بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں آمین بالجہر کے مسنون ہونے کے ثبوت پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس اثر کو ذکر کیا ہے:

رُوِينَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا كَانَ وَرَاءَ الْاِمَامِ وَ قَرَأَ الْاِمَامُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ قَالَ النَّاسُ آمِيْنُ، اَمَّنَ مَعَهُمْ وَ رَأىٰ ذٰلِكَ مِنَ السُّنَّةِ۔ (معرفۃ السنن والآثار ۱/۳۹۰)

ترجمہ: ہمیں روایت ملی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے پیچھے ہوتے اور امام فاتحۃ الکتاب کی قرأت کرتا اور لوگ آمین کہتے تو ان کے ساتھ وہ بھی آمین کہتے تھے اور اس کو سنت سمجھتے تھے۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ بیہقی نے اس روایت کی کوئی سند ذکر نہیں کی۔ دوسری

بات یہ ہے کہ اس میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب امام فاتحۃ الکتاب کی قرأت سے فارغ ہوتا تو مقتدی آمین کہتے اور حضرت ابن عمر بھی آمین کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مقتدیوں کے آمین کہنے کی جگہ فاتحۃ الکتاب کے بعد ہے، یہ بات معلوم ہے، لہٰذا اگر امام اور مقتدی فاتحۃ الکتاب کے بعد آہستہ آمین کہتے تھے تو بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ فاتحۃ الکتاب کے بعد لوگ آمین کہتے تھے اور حضرت ابن عمر بھی ان کے ساتھ آمین کہتے تھے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ بلند آواز سے امام اور مقتدی آمین کہتے تھے؟

پھر اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کو حضرت ابن عمر سنت سمجھتے تھے۔ اس سے مراد اگر آمین بالجہر کو سنت سمجھنا ہے تو یہ مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ جب آمین بالسر پر صحیح مرفوع حدیث اور آثار صحابہ موجود ہیں اور اس کی تائید میں قرآنی آیت بھی موجود ہے تو یہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمین بالجہر کو سنت سمجھتے تھے؟ اس روایت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتدیوں کے لئے آمین کہنے کو سنت سمجھتے تھے، اور آمین بالسر کے قائلین بھی فاتحۃ الکتاب کے بعد امام اور مقتدیوں کے لئے آمین کہنے کو سنت سمجھتے ہیں۔ ہاں ان کے نزدیک آمین بالسر افضل و مستحب ہے، جس کی دلیل نصوصِ قرآنیہ اور احادیث و آثار ہیں۔

اعتراض (17): شعبہ کی روایت جس کے متن میں خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ (حضور ﷺ نے پست آواز سے آمین کہی) الفاظ ہیں۔ اس کے تعلق سے بیہقی نے السنن الکبریٰ میں لکھا۔ اَمَّا خَطَأُهُ فِي مَتْنِهِ فَبَيِّنٌ ۔شعبہ کی حدیث کے متن میں شعبہ کی خطا بیّن (واضح) ہے۔ (السنن الکبریٰ ۲؍۸۳)

جواب: خطا بیّن کیوں؟ کیا صرف اس لئے کہ اس کا متن سفیان ثوری کی روایت کے متن کے معارض ہے؟ کیا شعبہ کثیر الخطا ہیں؟ کیا ان کی روایت نص قرآنی یا احادیث

صیحہ کی معارض ہے؟ شعبہ کو خود سفیان ثوری نے امیر المؤمنین فی الحدیث اور اُستاذُنا (ہمارے استاذ) کہا ہے۔شعبہ کو اگر سفیان ثوری سے بڑا حافظ الحدیث نہ بھی مانیں تو بھی ان سے رتبے میں وہ کمتر نہیں۔ بلکہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن سعید قطان کے بقول شعبہ سفیان کے مقابلے میں احسن الحدیث ہیں۔امام شافعی کے بقول اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کی معرفت ہی نہ ہوتی۔ایسے حافظ الحدیث،امیر المؤمنین فی الحدیث کے تعلق سے یہ کہہ دینا کہ چوں کہ ان کی روایت سفیان ثوری کی روایت کی معارض ہے اس لئے شعبہ کی خطا ظاہر ہے، بہر حال قابل تامل ہے۔ پھر یہ کہ خود سفیان ثوری عملا شعبہ کی روایت کے حامی و مؤید ہیں اور خود رفعِ صوت والی روایت پر عامل نہیں ۔ نیز شعبہ کی روایت کو نص قرآنی اور اکابر صحابہ کے عمل سے تائید حاصل ہے،تو یہ کہنا کیوں کر درست ہوگا کہ آہستہ آمین کہنے کی روایت میں شعبہ کی خطا بیّن ہے؟ یہی وجہ ہے کہ شارح بخاری علامہ عینی نے فرمایا:قُلْتُ تَخْطِئَةُ مِثْلِ شُعْبَةَ خَطَأٌ وَ هُوَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِی الْحَدِيْثِ

ترجمہ: شعبہ جیسے حافظ الحدیث کی طرف (بلا دلیل) خطا کو منسوب کرنا خود خطا ہے، کیوں کہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔غور وفکر کرنے والے پر یہ بات مخفی نہیں کہ آمین بالسر کے تعلق سے شعبہ کی روایت میں خَفَضَ بِھَا صَوْتَہٗ کے الفاظ کو خطاَ بیّن کہنا 'ایسا بیّن' ہے جومحتاج دلیل ہے اور معترض کے پاس اس کی دلیل موجود نہیں۔

اعتراض (18): حدیثِ سفیان ثوری میں مَدَّ بِھَا صَوْتَہٗ کے معنیٰ میں یہ احتمال نکالنا کہ اس سے مراد کھینچ کر آہستہ آمین کہنا بھی ہوسکتا ہے، درست نہیں۔ کیوں کہ سفیان ہی کی دوسری روایت میں رَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ الفاظ موجود ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مَدِّ صَوْت سے مراد رَفْعِ صَوْت ہے۔

جواب: احناف کو اس بات سے انکار نہیں کہ آمین والی روایات میں سے بعض میں رَفْعِ صَوْت کے الفاظ بھی منقول ہیں۔احناف کا کہنا یہ ہے کہ حضور ﷺ سے کبھی خَفْضِ صَوْت کے

ساتھ اور کبھی رَفعِ صَوت کے ساتھ آمین کہنا منقول ہے۔ لیکن رَفعِ صَوت کے ساتھ آمین کہنا بیانِ جواز اور تعلیم وترغیب کے لئے تھا۔ اصل میں اخفاءِ تامین (آہستہ آمین کہنا) مستحب ہے۔ کیوں کہ وہ دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء کا استحباب ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں اس کی مدح و ترغیب آئی ہے۔ احناف کو اگر آمین بالجہر کے جواز سے انکار ہوتا تو رَفعِ صَوت یا جَہرِ صَوت والی روایات سے ان پر الزام قائم کرنا درست ہوتا۔ احناف تو اس کے جواز کے منکر نہیں۔ بحث ہے استحباب وافضلیت کی۔ اگر کوئی آمین بالجہر کو مستحب کہتا ہے تو استحباب کی دلیل لائے۔ جہر والی روایات سے تو محض جہر کا جواز ثابت ہوا اور اخفاء کے استحباب کی دلیل یہ ہے کہ اس پر صحیح مرفوع احادیث موجود ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی تائید میں قرآنی نص بھی موجود ہے اور اس پر اکابر صحابہ کرام کا عمل بھی ہے۔ ایسی کوئی مضبوط دلیل معترض کے پاس جہر کے استحباب پر موجود نہیں۔ اگر جہر کے ثبوت پر روایات ہیں تو اخفاء کے ثبوت پر بھی روایات موجود ہیں۔ بلکہ اخفاء کی روایات واضح غیر محتمل ہیں، جب کہ جہر والی روایات بعض محتمل اور بعض مؤول ہیں۔ جن روایات میں مَدِّ صَوت کا ذکر ہے ان میں خَفضِ صَوت (آہستہ آمین کہنے) کے معنیٰ کا احتمال ہے اور جن روایات میں جہر یا رفع صوت کے الفاظ ہیں وہ مؤول ہیں۔ کیوں کہ رفع صوتِ تعلیم و ترغیب کے لئے تھا، جیسا کہ خود حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو پہلے گذر چکی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: مَا اَرَاہُ اِلَّا یُعَلِّمُنَا۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ حضور نے بلند آواز سے آمین ہماری تعلیم کی غرض سے کہی۔

یہ جواب ان کے لئے ہے جو آمین بالجہر کے استحباب کے قائل ہیں۔ رہا معاملہ غیر مقلدین زمانہ کا تو وہ تو آمین بالجہر کو فرض یا واجب کے درجے میں رکھتے ہیں اور آمین بالسر کے قائلین کو مخالف سنت، باطل پرست کہتے اور انہیں لعن طعن کرتے ہیں۔ اُن سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اگر آپ کے نزدیک آمین بالجہر سنت لازمہ ہے تو دلیل شرعی سے اس پر حضور ﷺ کی مواظبت وہمیشگی ثابت کیجئے اور اگر آپ اس کو واجب کہتے ہیں تو دلیل لائیے یا یہ

دکھائیے کہ آمین بالجہر کے ترک پر حضور نے وعید سنائی ہو، کیونکہ دلیلِ وجوب یا ترک ِفعل پر وعید کے ثبوت کے بغیر وجوب کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ اہل سنت کے ائمہ وفقہاء میں سے کوئی بھی آمین بالجہر کے تارک کو گناہگار نہیں سمجھتا، لیکن فرقۂ غیر مقلدین اس کے تارک کو نہ صرف گناہ گار بلکہ گمراہ بھی کہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنا ان کے نزدیک حرام بلکہ گمرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

اعتراض (19): صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوۂ خندق کے دن صحابۂ کرام کے ساتھ خندق کھودنے میں مشغول تھے تو صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ خود بھی مٹی اٹھا کر خندق سے باہر لے جا رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ اشعار رجز کے طور پر پڑھ رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ لَوْ لَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا — وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلَنَّ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا — وَ ثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا
اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا — وَاِنْ اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا

ترجمہ: اے اللہ اگر تو نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر تو سکینہ نازل فرما اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں۔ بے شک ان کافروں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ اگر انہوں نے ہم سے کفر کا مطالبہ کیا ہے تو ہم نے انکار کر دیا ہے۔

حضور آخیر میں ''اَبَیْنَا اَبَیْنَا'' بلند آواز سے کہتے تھے۔ بخاری کے الفاظ ہیں: ثُمَّ یَمُدُّ صَوْتَہٗ بِاٰخِرِھَا (پھر حضور آخر میں آواز کو کھینچ کر یہ کہتے تھے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدِّ صَوْت سے مراد رَفْعِ صَوْت ہے۔ جیسا کہ بخاری کی دوسری روایت میں ہے: وَ رَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ اَبَیْنَا اَبَیْنَا۔ حضور نے بلند آواز سے اَبَیْنَا اَبَیْنَا کہا، یعنی ہم نے انکار کیا ہم نے انکار کیا۔ (بخاری ۵/۱۰۹)

جواب: ہم یہ نہیں کہتے کہ مَدِّ صَوت کا معنیٰ رَفعِ صَوت نہیں آتا۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ مَدِّ صَوت کے لئے رَفعِ صَوت لازم نہیں۔ مَد کے ساتھ کسی کلمے کا تلفظ خَفضِ صَوت (آہستہ آواز) کے ساتھ ہوسکتا ہے اور رَفعِ صَوت (بلند آواز) کے ساتھ بھی۔ آمین کے تلفظ کے تعلق سے بعض روایات میں مدِ صوت کے الفاظ ہیں اور بعض میں رفعِ صوت کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں خفضِ صوت و اخفاءِ صوت کے الفاظ بھی ہیں۔ ہمارا کہنا یہ کہ جن روایات میں مدِ صوت کے الفاظ ہیں ان میں حتمی طور پر مدِ صوت کو رفعِ صوت کے معنیٰ کے لئے متعین ماننا درست نہیں بلکہ اس کا معنیٰ خفضِ صوت بھی ہوسکتا ہے اور اس احتمال کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں خفضِ صوت اور اخفاءِ صوت کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

معترض نے بخاری کی جس روایت کو بطور الزام ہم پر پیش کیا ہے اس میں مدصوت کے الفاظ ہیں اور دوسری جگہ اسی روایت میں رفع صوت کے الفاظ بھی ہیں، لیکن اس روایت میں کہیں خفضِ صوت یا اخفاءِ صوت کے الفاظ منقول نہیں ہیں، تو حتمی طور پر یہاں مد صوت سے مراد رفع صوت ہوگا۔ کیونکہ اس کے خلاف اخفاءِ صوت مراد لینے کے احتمال پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس کے علاوہ یہاں قرینہ خود شاہد ہے کہ مدصوت رفع صوت کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ خندق کھودتے وقت صحابۂ کرام کو جوش دلانے کے لئے رجز پڑھ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ رجز پست آواز سے نہیں پڑھی جاتی ورنہ اس کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

معلوم ہوا کہ بخاری کی اس روایت میں اگر مدصوت سے مراد حتمی طور پر رفع صوت ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر جگہ مدِصوت سے مراد رفعِ صوت ہی ہوگا۔ جہاں اخفاءِ صَوت پر قرینہ یا دلیل ہو یا اخفاءِ صوت مراد لینے کا احتمال ہو تو مدصوت سے مراد اخفاءِ صوت ہوسکتا ہے۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ جن روایات میں آمین کہنے کے تعلق سے مدصوت کے الفاظ آئے ہیں وہاں مدصوت سے مراد حتمی طور پر رفع صوت ہی ہے۔

اعتراض (20): سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابومحذورہ کواذان کی تعلیم دیتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے: ثُمَّ ارْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ۔ تم اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ دودوبار کہو، پھر پلٹو پھر اپنی آواز کچھ اونچی کر کے اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہو۔ یہاں بھی بالاتفاق مد صوت سے مراد رفع صوت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مد صوت سے مراد رفع صوت ہی ہوتا ہے۔

جواب: یہاں بھی مدِ صوت سے مراد رفعِ صوت ہونے پر قرینہ موجود ہے کہ وہ وقتِ تعلیم تھا اور تعلیم رفعِ صوت کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ اخفاء صوت کے ساتھ۔ خصوصاً اذان کی تعلیم اونچی آواز سے ہی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابومحذورہ کواذان کی تعلیم دی اور فرمایا: تم اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ،اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ دودوبار کہو۔ یہ کہہ کر بغرض تعلیم پھر حضور نے فرمایا: پھر پلٹ کر، اپنی آواز کو کھینچ کر اونچی کر کے کہو اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ حضرت ابو محذورہ خوش آواز اور بلند آواز تھے لیکن حضور کے سامنے اذان کے کلمات پست آواز سے دہرا رہے تھے تو حضور نے ان کی تعلیم کے لئے دوبارہ شہادتین کو بلند آواز سے کہنے کا حکم دیا اور فرمایا: اِرْجِعْ فَمُدَّ مِنْ صَوْتِكَ۔ پھر کہو، کچھ آواز اونچی کر کے کہو۔ یہاں پر مد صوت سے رفع صوت مراد لینے پر قرینہ واضحہ موجود ہے، لہذا یہاں اخفاء صوت کا احتمال نہیں۔ لیکن باب آمین میں مد صوت سے اخفاء صوت مراد لینے کا احتمال موجود ہے۔ کیونکہ اخفاء صوت کے ساتھ آمین کہنے کی بھی صحیح روایات منقول ہیں۔ لہذا معترض کا حضرت ابومحذورہ والی روایت سے الزام قائم کرنا درست نہیں۔

اعتراض (21): بعض علماء احناف مثلا ابوالطیب مدنی، ابن ترکمانی اور عبدالحی لکھنوی وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ آمین بالجہر کا قول زیادہ صحیح ہے۔ عبدالحی لکھنوی صاحب نے

التعلیق المجد علی موطا محمد میں لکھا ہے: وَالْاِنْصَافُ اَنَّ الْجَهْرَ قَوِیٌّ مِنْ حَیْثُ الدَّلِیْلِ۔
انصاف یہ ہے کہ دلیل کے اعتبار سے جہرِ آمین قوی ہے۔حتی کہ فقہ حنفی کے صاحب ترجیح فقیہ علامہ کمال الدین ابن ہمام نے شعبہ کی روایت جس میں اخفاء آمین کا ذکر ہے، اس کو سفیان ثوری کی روایت، جس میں جہرِ آمین کا ذکر ہے، پر ترجیح نہیں دی ہے بلکہ یہ لکھا ہے:
وَ لَوْ کَانَ اِلَیَّ شَیْءٌ لَوَفَّقْتُ بِاَنَّ رِوَایَةَ الْخَفْضِ یُرَادُ بِهَا عَدَمُ الْقَرْعِ الْعَنِیْفِ وَرِوَایَةَ الْجَهْرِ بِمَعْنیٰ زَبْرِ الصَّوْتِ وَ ذَیْلِهٖ یَدُلُّ عَلیٰ هٰذَا مَا فِیْ ابْنِ مَاجَةَ کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَلَا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ قَالَ آمِیْنْ حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَیَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدُ وَ اِرْتِجَاجُهٗ اِذَا قِیْلَ فِی الْیَمِّ فَاِنَّهُ الَّذِیْ یَحْصُلُ عَنْهُ دَوِیٌّ کَمَا یُشَاهَدُ فِی الْمَسَاجِدِ بِخِلَافِ مَا اِذَا کَانَ بِقَرْعٍ وَ عَلیٰ هٰذَا فَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّقَالَ عَلیٰ هٰذَا الْوَجْهِ لَا بِقَرْعٍ کَمَا یَفْعَلُهٗ بَعْضُهُمْ۔

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی روایت ہوتی تو میں رفع صوت اور خفض صوت والی روایتوں کے درمیان اس طور پر تطبیق دیتا کہ خفض صوت والی روایت سے مراد یہ ہے کہ بہت چیخ کر آمین نہیں کہتے تھے۔اور جہرِ صوت والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ اتنی آواز سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں گنگناہٹ کی آواز پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ سمندر میں جو آواز ہوتی ہے اسے دَوِیٌ یعنی گنگناہٹ کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی قرأت کرتے تو اتنی آواز سے آمین کہتے تھے کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے، جس سے مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی تھی اور آواز گونجنے کا مطلب یہ ہے کہ گنگناہٹ پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ مسجدوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔لیکن بہت تیز آواز سے آمین نہیں کہنی چاہئے، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں۔(فتح القدیر ا/۲۹۵)

علامہ ابن ہمام نے شعبہ کی رایت کے تعلق سے یہ بھی لکھا ہے: فَقَدْ خَالَفَ سُفْیَانُ

شُعْبَةَ فِی الرَّفْعِ وَ فِی اَنَّ حُجرًا اَبُو الْعَنْبَسِ اَوِ ابْنُ الْعَنْبَسِ وَ فِی عَدَمِ ذِكْرِ عَلْقَمَةَ، وَ فِيهِ عِلَّةٌ اُخرىٰ ذَكَرَهَا التِّرْمِذِیُ فِی الْكَبِيرِ قَالَ: اِنَّهٗ سَأَلَ الْبُخَارِیَّ هَلْ سَمِعَ عَلْقَمَةُ مِنْ اَبِيهِ فَقَالَ : اِنَّهٗ وُلِدَ بَعْدَ مَوْتِ اَبِيهِ بِسِتَّةِ اَشْهُرٍ اھ غَيْرَ اَنَّ هٰذَا انْقِطَاعٌ اِنْ تَمَّ وَ قَدْ رَجَّحَ الدَّار قُطْنِیُ وَغَيْرُهٗ رِوَايَةَ سُفْيَانَ اَنَّهٗ اَحْفَظُ وَ قَدْ رَوَى الْبَيْهَقِیُ عَنْ شُعْبَةَ فِی الْحَدِيْثِ رَافِعًا صَوْتَهٗ۔

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ رفعِ آمین کے تعلق سے سفیان نے شعبہ کی اس بات میں مخالفت کی ہے کہ حجر ابوالعنبس ہے یا ابن عنبس ہے اور اس بات میں مخالفت کی ہے کہ شعبہ نے علقمہ کو ذکر کیا ہے اور سفیان نے نہیں۔ اس میں ایک علت اور ہے جس کو ترمذی نے علل کبیر میں ذکر کیا ہے، کہ انہوں نے بخاری سے پوچھا کہ کیا علقمہ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ اپنے باپ کی موت کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی سند میں انقطاع بھی ہے اور دار قطنی وغیرہ نے سفیان کی روایت کو ترجیح دی ہے کیونکہ سفیان احفظ ہیں اور بیہقی نے شعبہ کی ایک روایت میں رَافِعًا صَوْتَهٗ بھی ذکر کیا ہے۔ (ایضا ۱/۲۹۵) ۔ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ بعض علماء احناف بھی آمین بالجہر کی روایت کو قوی قرار دیتے ہیں۔

جواب: مذہب حنفی میں فتویٰ قولِ امام اعظم یا اُس قول پر دیا جاتا ہے جسے مذہب حنفی کے ائمہ نے راجح قرار دیا ہے۔ فقہ حنفی میں ابن الہمام کا رتبہ بلند صحیح لیکن ان کے تفردات احناف کے لئے حجت نہیں۔ چنانچہ خود ابن الہمام کے تلمیذ رشید محدث وفقیہ قاسم بن قطلو بغا نے ابن الہمام کے بارے میں یہ کہا ہے: لَا يُعْمَلُ بِاَبْحَاثِ شَيْخِنَا الَّتِی تُخَالِفُ الْمَذْهَبَ۔ ہمارے شیخ کی وہ تحقیقات جو مذہب کے خلاف ہیں ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ (شرح عقود رسم المفتی ص:۱۱۸)

ابن الہمام کی تحقیق میں ممکن ہے کہ حدیثِ شعبہ کے مقابلے میں حدیثِ سفیان،

جس میں رفع آمین کا ذکر ہے قوی ہو لیکن مذہب حنفی کے جمہور ائمہ مجتہدین اور خود امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول اخفاءِ آمین کا ہے اور ان کے نزدیک اخفاء آمین کی حدیث راجح ہے۔ لہذا جب محقق ابن الھمام جیسے فقیہ کی رائے امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب اور جمہور ائمہ کے مقابلے میں نامقبول ہے تو بھلا شیخ ابوالطیب مدنی اور علامہ عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ کی ذاتی انفرادی رائے کیوں کر درخور اعتناء ہوسکتی ہے؟ جبکہ یہ حضرات ابن الھمام کی طرح اصحاب ترجیح کے زمرے میں بھی نہیں ہیں۔

اب راقم، امام اعظم ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب اور فقہ حنفی کے جمہور ائمہ مجتہدین کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ محقق ابن الھمام نے شعبہ کی روایت پر سفیان ثوری کی رایت کو ترجیح دینے کی وہی وجوہ ذکر کی ہیں جنہیں بیہقی، دارقطنی اور ابن خزیمہ وغیرہ محدثین نے ذکر کی ہیں اور شعبہ کی روایت پر وہی تین اعتراضات جو بخاری کے حوالے سے دوسروں نے نقل کئے ہیں ابن الھمام نے بھی ذکر کئے ہیں۔ ان تینوں اعتراضات کے جوابات علامہ عینی وغیرہ نے ذکر کئے ہیں۔ فقیر راقم الحروف نے بھی بالتفصیل ان کے جوابات پچھلے صفحات میں ذکر کئے۔ ہم پھر انہیں اجمالا ذکر کرتے ہیں۔

شعبہ سے سفیان کو احفظ (زیادہ مضبوط حافظہ والا) ماننے کی بنیاد پر سفیان کی روایت کو راجح قرار دینا محل نظر ہے۔ حفظِ متون میں اور خصوصا کوفیوں کی روایات کے معاملے میں شعبہ کی ترجیحی حیثیت اور عُلُوِّ مرتبت مسلم ہے۔ سفیان ثوری نے خود شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث اور اُستَاذُنَا (ہمارے استاذ) کہا ہے۔ سفیان کو شعبہ سے اَحْفَظ ماننے کی تقدیر پر بھی یہاں شعبہ کی روایت راجح ہے۔ شعبہ حافظ الحدیث، امیر المؤمنین فی الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی روایت کو کئی وجوہ سے تقویت حاصل ہے۔

ا۔ شعبہ کی روایت نص قرآنی کی موافق ہے۔

۲۔ شعبہ کی روایت میں اخفاء آمین کا ذکر ہے اور آمین دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء

ہے۔ لہٰذا شعبہ کی روایت سے تمسک، تمسک بالاصل ہے اور تمسک بالاصل راجح ہے۔

۳۔ مجتہدینِ صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمر فاروق، حضرت علی اور اہل کوفہ صحابۂ کرام و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے شعبہ کی روایت کو تائید حاصل ہے۔

۴۔ خود سفیان ثوری کا عمل اخفاءِ آمین تھا۔ لہٰذا ان سے منقول رفعِ آمین والی روایت معلل ہے۔

۵۔ خود حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ حضور نے ہمیں تعلیم دینے کے لئے بلند آواز سے آمین کہی۔ لہٰذا سفیان کی رفع صوت والی روایت کو سنداً صحیح ماننے پر بھی وہ مؤول ہوئی، جبکہ شعبہ کی روایت غیر مؤول ہے۔

اتنی ساری وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے شعبہ کی روایت کے مقابلے میں سفیان کی روایت کو راجح قرار دینا کیسے درست ہوگا؟؟ یقیناً ہمارے ائمہ کے سامنے شعبہ کی روایت کی ترجیح کے اسباب موجود تھے اسی لئے انہوں نے اخفاءِ آمین کے قول کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ مبسوطِ امام محمد میں ہے: قُلْتُ: وَ يَنْبَغِيْ لِمَنْ خَلْفَهٗ اَنْ يَّقُوْلُوْهَا وَ يُخْفُوْهَا قَالَ نَعَمْ۔

ترجمہ: میں نے (امام ابوحنیفہ سے) کہا: کیا امام کے پیچھے جو مقتدی ہوں وہ آمین آہستہ کہیں گے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ (المبسوط ۱/۱۱)

ابن الہمام نے ترمذی کے حوالے سے حدیث شعبہ کی ایک علت یہ ذکر کی ہے کہ اس میں علقمہ کا واسطہ مذکور ہے، حالانکہ امام بخاری کا قول ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے والد وائل بن حجر سے ثابت نہیں، لہٰذا اس میں انقطاعِ سند ہوا۔ گذشتہ صفحات میں راقم نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حجر ابوالعنبس نے حدیث وائل کو علقمہ کے واسطے سے بھی سنا ہے اور براہ راست حضرت وائل سے بھی۔ رہی یہ بات کہ علقمہ کا سماع اپنے والد سے ثابت نہیں، یہ بات غلط ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ علقمہ اپنے والد کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے۔ صحیح یہ ہے کہ علقمہ کا سماع اپنے والد سے ثابت ہے۔ خود بخاری نے تاریخ کبیر میں یہ لکھا ہے:

عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بْنِ حُجْرِ الْحَضْرَمِیُ الْکِنْدِیُ الْکُوْفِیُ سَمِعَ اَبَاہُ۔ ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر حضرمی کندی کوفی نے اپنے والد سے سنا ہے۔(التاریخ الکبیر ۷/۴۰) امام ترمذی نے لکھا ہے وَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَائِلِ بنِ حُجْرٍ سَمِعَ مِنْ اَبِیْهِ ترجمہ: علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والد سے سنا ہے۔(سنن الترمذی ۴/۵۶)

اس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو راقم الحروف کی کتاب ''نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا'' کا مطالعہ کیا جائے۔

معترض نے ابن الترکمانی کے حوالے سے یہ کہا کہ ان کے نزدیک آمین بالجہر کی روایت راجح ہے۔ راقم نے الجوہر النقی علی سنن البیہقی کا مطالعہ کیا، اس میں کہیں پر ابن الترکمانی کا یہ قول نظر نہیں آیا۔ بلکہ باب جهر الامام بالتأمین کے تحت انہوں نے حدیث ابو ہریرہ کو ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے: قُلْتُ: ذَكَرَ ذٰلِكَ شَارِحُ الْعُمْدَةِ اَنَّهٗ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاِمَامَ يُؤَمِّنُ ثُمَّ قَالَ دَلَالُتُهٗ عَلَى الْجَهْرِ اَضْعَفُ مِنْ دَلَالَتِهٖ عَلٰى نَفْسِ التَّأْمِيْنِ قَلِيْلًا لِاَنَّهٗ قَدْ يَدُلُّ عَلٰى تَأْمِيْنِ الْاِمَامِ مِنْ غَيْرِ جَهْرٍ۔ شارح عمدہ نے اس کو ذکر کیا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات پر کہ امام آمین کہے گا۔ پھر انہوں نے کہا: جہر آمین پر اس کی دلالت نفس آمین کی دلالت سے کچھ ضعیف ہے۔ کیونکہ بغیر جہر کے آمین کہنے کی دلیل بھی موجود ہے۔ پھر ابن الترکمانی نے طبری کے حوالے سے یہ لکھا ہے: وَ الصَّوَابُ اَنَّ الْخَبَرَ بِالْجَهْرِ بِهَا وَ الْمُخَافَتَةِ صَحِيْحَانِ وَ عُمِلَ بِكُلٍّ مِّنْهُمَا فَعَلَيْهِ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَ اِنْ كُنْتُ مُخْتَارًا خَفْضَ الصَّوْتِ بِهَا اِذْ كَانَ اَكْثَرُ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ صحیح یہ ہے کہ جہر آمین اور اخفاء آمین دونوں سے متعلق احادیث صحیح ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک پر ایک جماعت عامل ہے۔ اگر چہ میرے نزدیک پسندیدہ آہستہ آمین کہنا ہے، کیونکہ اکثر صحابہ و تابعین کا عمل اسی پر ہے۔(الجوہر النقی ۲/۲۲)

اب رہی بات علامہ عبدالحی لکھنوی کی تو معترض کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ عبدالحی

لکھنوی ماضی قریب کے ایک جید عالم ہونے کے باوجود ان کا درجہ مقلدین محققین کا ہے وہ مجتہد نہیں۔ علامہ کمال ابن الہمام، علامہ عبدالحی لکھنوی سے درجوں بلند ہیں حتی کہ انہیں فقہاء احناف میں اصحاب ترجیح کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ جب ابن الہمام کے تفردات احناف کیلئے حجت نہیں تو علامہ عبدالحی لکھنوی جیسے علماء محققین کی انفرادی تحقیق احناف کے نزدیک کیوں کر معتبر ہوگی؟ صحیح یہ ہے کہ فقہاء احناف کے خلاف علامہ عبدالحی لکھنوی کا یہ کہنا کہ انصاف یہ ہے کہ جہرِ آمین کے دلائل قوی ہیں، انصاف سے دور ہے۔

اخفاءِ آمین کے دلائل راجح ہیں

اصول یہ ہے کہ جب احادیث وآثار مختلف ہوں تو محض قوتِ سند کی بنا پر کوئی حدیث قابل عمل نہیں ہوتی، بلکہ دیگر وجوہِ ترجیح کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ اگر کسی حدیث کو جمہور صحابہ وائمہ مجتہدین کے قول وعمل سے تائید حاصل ہو یا کتاب اللہ کی نصوص سے اُس کی تائید ہوتی ہو تو دوسری احادیث وآثار کے مقابلے میں اُسی روایت پر عمل ہوگا۔

اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو آہستہ آمین کہنے سے متعلق جو احادیث وآثار ہیں وہ راجح نظر آتی ہیں، کیوں کہ اخفاءِ آمین والی روایات کو نصوص قرآنیہ سے تائید حاصل ہے اور ان پر خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ کرام کا عمل رہا ہے۔

☆ محدث ومحقق علامہ نیموی تحریر فرماتے ہیں:

لَم یَثبُتِ الجَھرُ بِالتَامِینِ عَنِ النَّبِیِ ﷺ وَلَاعَنِ الخُلَفَاءِ الاَربَعَةِ وَمَاجَاءَ فِی البَابِ فَھُوَلَا یَخلُو مِن شَئیٍ۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے آمین بالجہر (دائمی طور پر) ثابت ہے نہ خلفاء اربعہ سے اور اس باب (جہر) میں جو بھی روایت ہے وہ کسی عیب سے خالی نہیں۔ (آثارالسنن 1/ 94)

علاوہ ازیں دعا میں اصل اخفاء ہے اور دلائل جب متعارض ہوں تو جو دلیل اصل کی

موافق ہو اس کو ترجیح دی جاتی ہے۔آمین دعا ہے اور اس کے جہر و اخفاء کے تعلق سے احادیث و آثار متعارض ہیں تو اصل کے لحاظ سے اخفاء والی احادیث و آثار کو ترجیح ہوگی چناں چہ شارح بخاری علامہ عینی نے یہ تحریر فرمایا ہے:

قُلتُ:اِذَاتَعَارَضَتِ الاَخبَارُوَالآثَارُیُعمَلُ بِالاَصلِ وَالاَصلُ فِی الدُعاءِ اَلاِخفَاءُ کَمَاذَکَرنَااَو یُحمَلُ عَلیٰ اَنَّہُ وَقَعَ اِتِّفَاقاًعَلیٰ التَعلِیمِ اَو عَلیٰ اَصلِ الاَمرِ۔

ترجمہ: جب اخبار و آثار متعارض ہوں تو اصل پر عمل کیا جائے گا اور اصل دعا میں اخفاء ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یا جہر کو تعلیم یا اتفاق پر محمول کیا جائے گا یا اصل امر یعنی بیان جواز پر محمول کیا جائے گا۔(البنایہ شرح الہدایہ 2/216)

☆ غیر مقلدین کے مشہور عالم صدیق حسن خان بھوپالی نے ابن جریر طبری کے حوالے سے لکھا ہے:

قَالَ الطَبرِی وَالخَبرُ بِالجِهرِ بِهٖ وَالمُخَافَتَۃِ صَحِیحٌ وَقَدعَمِلَ بِکُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا جَمَاعَۃٌ مِن عُلَمَاءِ الاُمَّۃِ وَذَالِكَ یَدُلُّ اَنَّہُ مِمَّاخَیَّرَ الشَّارِعُ فِیهِ وَلِذَالِكَ لَم یُنکِر بَعضُهُم عَلیٰ بَعضٍ مَا کَانَ مِنهُم فِی ذَالِكَ وَاِن کُنتُ مُختَارًاخَفضَ الصَوتِ بِهَا اِذاکثَرُ الصَحَابَۃِ وَالتَّابِعِینَ عَلیٰ ذَالِكَ انتهی۔

ترجمہ:طبری نے کہا: آمین بالجہر اور بالاخفاء کی حدیث صحیح ہے اور ہر ایک پر علماء امت کی ایک جماعت نے عمل کیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ شریعت نے اس میں اختیار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں کسی نے کسی پر انکار نہیں کیا ہے،اگرچہ میں آہستہ آمین کہنے کو پسندیدہ قرار دیتا ہوں، کیوں کہ اکثر صحابہ اور تابعین کا اسی پر عمل رہا ہے۔(انتہی)

غیر مقلدین کے مذہب کا کوئی متعین اصول وضابطہ نہیں۔کہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اعتبار

کثرت روایات کا ہے اور کہیں یہ کہتے ہیں کہ اعتبار کثرت کا نہیں بلکہ سند کی قوت کا ہے چناں چہ یہاں پر بھی نواب صاحب نے اپنی جماعتی روش کو نہیں چھوڑا ہے اور یہ لکھا ہے کہ آمین بالاخفاء اکثر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے، لیکن اس کا اعتبار نہیں بلکہ قوت سند کا اعتبار ہے اور آمین بالجہر کی احادیث سنداً زیادہ قوی ہیں۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

وَاَقُولُ لَاعِبرَةَ بِالکَثرَةِ وَاِنَّمَاالعِبرَةُ بِقُوَّةِ السَّنَدِوَاَحَادِیثُ الجَھرِ بِہٖ اَصرَحُ وَ اَولیٰ بِالعَمَلِ وَاِنْ کَانَ یَجوزُ الخَفضُ۔ (نزل الابرار فی الادعیۃ الماثورۃ والاذکار ص82)

ترجمہ: میں (نواب صاحب) کہتا ہوں: کثرت روایات کا اعتبار نہیں، قوت سند کا اعتبار ہے اور جہر والی احادیث زیادہ صریح اور لائق عمل ہیں۔ اگر چہ آہستہ آمین کہنا بھی جائز ہے

نواب صاحب نے یہ تو کہہ دیا کہ جہر والی احادیث زیادہ صحیح ہیں لیکن اس پر انہوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔ حالاں کہ انصاف سے دیکھا جائے تو اخفاء والی احادیث زیادہ صریح وصحیح ہیں، اُن میں کسی تاویل کی راہ نہیں۔ کیوں کہ آمین بالاخفاء والی احادیث وآثار میں خفضِ صوت اور اخفاءِ صوت کے الفاظ ہیں جو اپنے معانی میں بالکل صریح ہیں جب کہ آمین بالجہر والی احادیث میں بعض میں مدِّ صوت کا بھی لفظ ہے اور مدِّ صوت اخفاء کے اعلیٰ درجہ اور جہر کے ادنیٰ درجے پر بھی صادق آتا ہے۔ یعنی آمین کو کھینچ کر پڑھنا کہ خود سن سکے یہ اخفاء کا ادنی درجہ ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اس طرح کھینچ کر آمین کہے کہ قریب والا آدمی سن لے، یہ اخفا کا اعلیٰ درجہ ہے اور رفعِ صوت کا ادنیٰ درجہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے (ان کے قول جدید کے مطابق) رفعِ صوت اور مدِّ صوت کو جہر کے سب سے ادنیٰ درجے اور اخفا کے اعلیٰ درجے پر محمول کیا ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں کتاب الام کے حوالے سے ان کا قول گزرا۔ معلوم ہوا کہ آمین بالجہر کی احادیث جن میں رفعِ صوت یا

مدِّ صوت کے الفاظ ہیں وہ محتمل ہیں، وہ جہر کے معنی میں (جو معنی غیر مقلدین مراد لیتے ہیں کہ خوب بلند آواز سے آمین کہنا لازم ہے) صریح نہیں بلکہ مؤول ہیں۔

معلوم ہوا کہ نواب صاحب کا دعویٰ کہ آمین بالجہر کی احادیث زیادہ صریح ہیں، بے دلیل وغیر معتبر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آمین بالسر والی احادیث صریح وغیر مؤوّل ہیں اور آمین بالجہر والی تمام روایات زیادہ صریح تو کجا صریح وغیر محتمل بھی نہیں۔

نواب صاحب کا قوت سند کی بنیاد پر آمین بالجہر کی احادیث کو زیادہ قابل عمل قرار دینا بھی درست نہیں، کیوں کہ آمین بالسر کی روایات کئی وجوہ سے زیادہ قابل عمل اور راجح ہیں۔

اولا: سفیان ثوری جن سے آمین بالجہر کی روایت نقل کی جاتی ہے وہ خود آمین بالسر کے قائل تھے۔

ثانیا: جمہور صحابہ وتابعین کا عمل آمین بالسر کا تھا جس کو خود نواب صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

ثالثا: آمین بالجہر والی احادیث مؤوّل ہیں۔ حضور ﷺ نے تعلیما بلند آواز سے آمین کہی تھی۔

رابعا: آمین بالسر والی احادیث کو عمومِ نص قرآنی سے تائید حاصل ہے۔ کیوں کہ قرآن میں آہستہ دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور آمین دعا ہے۔ لہذا اس کو بھی آہستہ کہنا مستحب ہے۔

خامسا: ائمہ مذاہب اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی (ان کے قول جدید کے مطابق)، امام مالک وامام سفیان ثوری کے نزدیک آہستہ آمین کہنا مستحب ہے۔ معلوم ہوا کہ جمہور ائمہ مجتہدین اخفاء آمین کے قائل تھے۔ نیز امام ابن جریر طبری جو عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ مجتہد بھی تھے ان کا تذکرہ علامہ ذہبی نے طبقۃ الحفاظ میں بہت شرح وبسط کے ساتھ کیا ہے، وہ بھی اخفاءِ آمین کو راجح قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ ان کا قول ماسبق میں گزرا۔

اگر نواب صاحب کی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ آمین بالجہر کی احادیث زیادہ صریح ہیں اور ان پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے تو بھی احناف کو لعن طعن کرنا کیوں کر درست ہوگا جیسا کہ غیر

مقلدین وہابیہ کرر ہے ہیں؟ غیر مقلدین کوتو مسجد میں چلاّ کر آمین کہنے کی ایسی ضد ہے کہ گویا آہستہ آمین کہنا کوئی گناہ ہواور بلند آواز سے کہنا فرض یا واجب ہو۔ جب احناف کے پاس آہستہ آمین کہنے پر صحیح احادیث وآثار بطور دلیل موجود ہیں تو غیر مقلدین کا انہیں مخالفت سنت اور منکر صحیح حدیث کہنا کہاں کا انصاف ہے؟؟ غیر مقلدین وہابیہ کو چاہئے کہ کم ازکم اپنے مقتدا وامام نواب صدیق حسن صاحب کی بات ہی مان لیں اور آہستہ آمین کہنے والوں کے تعلق سے شدت کارویہ اپنانا چھوڑ دیں۔

نواب صاحب ایک دوسرے مقام پر آمین بالجہر کو بزعم خویش راجح قرار دینے کے با وجود آمین بالسر کی دلیل کو بھی صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَدوَرَدَتِ الاَدِلَّةُ فِی الجَانِبَینِ لَکِنَّ الرَّاجِحَ مَااَشَرُنَا اِلَیهِ۔ (نزل الابرار147)

ترجمہ: آمین بالجہر اور آمین بالسر دونوں کے قائلین کے پاس دلائل ہیں لیکن راجح وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ غیر مقلد عالم نورالحسن خان لکھتے ہیں:

”وآثار در خفض ورفع آمین ہر دووارد شدہ وبصحت رسیدہ وثانی اولیٰ تر است ازاول“

ترجمہ: اور آثار آمین بالسر وآمین بالجہر دونوں پر وارد ہوئی ہیں اور صحیح بھی ہیں لیکن ثانی اول سے زیادہ بہتر ہے۔ (عرف الجاوی ص29.30)

جب غیر مقلدین کے اماموں کے نزدیک آمین بالسر والی احادیث بھی صحیح ہیں تو آہستہ آمین کہنے والوں پر وہابیہ مخالفت حدیث کا الزام کیوں لگاتے ہیں؟؟ کیا فرقہ وہابیہ اب اتنا بے لگام اور آزاد ہو چکا ہے کہ اسے اپنے معتمد علماء کی باتوں پر بھی بھروسہ نہیں رہا؟

آمین کہنا اہل سنت وجماعت کے نزدیک مسنون ہے، واجب نہیں۔ ہاں فرقۂ ظاہریہ کے بعض افراد اس کے وجوب کے قائل ہیں لیکن فرقۂ وہابیہ تو فرقۂ ظاہریہ سے بھی آگے بڑھ کر

اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ کہ صرف آمین کہنا ہی نہیں بلکہ چلاّ کر آمین کہنا واجب ہے۔ وہابیہ کی طرح جولوگ نماز میں آمین نہیں کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک باطل پرست ہیں۔ ہماری بات کی تائید مشہور غیر مقلد مفتی عبدالستار کے ایک فتوے سے بھی ہوتی ہے۔
وہ غیر مقلدین کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کی اقتدا میں بہتر نہیں۔ اگر سنت اور صحیح مسلک کی اشاعت کی خاطر احناف کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے تو جائز کیا بلکہ ضروری ہے، کیوں کہ آپ احناف کی مسجد میں جا کر صحیح طریقہ کے مطابق صحیح وضو کریں گے پھر نماز سنت طریقہ کے مطابق آمین ورفع یدین سے پڑھیں گے، مقلدین کو متبعین سنت کی نماز کا علم ہوگا وہ آپ سے دریافت کریں گے: آپ نے آمین کیوں کہی، رفع یدین کیوں کیا؟ آپ ان کو دلائل سے جواب دیں گے۔ سننے والوں میں دس ہوں گے تو ایک تو آپ کا حامی بھی ہو جائے گا، اس طرح آپ کا مسلک پھیلے گا۔ اگر اس پوری کارروائی کی ہمت وجرأت نہ ہو تو پھر آپ اہل حدیث مسجد بنانے کی الگ کوشش کریں اور تاقیام مسجد اپنی نماز گھر پر پڑھیں کیوں کہ جو شخص فرضیت فاتحہ خلف الامام کا قائل وعامل نہ ہو اور صحیح احادیث کو نہ مانے فرمان رسول پر اپنے مذہب کو مقدم سمجھے اور منکر حدیث ہو تو اس کی امامت اور اقتدا تو کیا اس کا تو اسلام بھی خطرے میں ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ 4/ 29-28)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے! امام کے پیچھے قرأت فاتحہ، بلند آواز سے آمین کہنا، تکبیر تحریمہ کے سوا دوسرے مقامات پر رفع یدین کرنا غیر مقلدین وہابیہ کے نزدیک فرض اور ضروری ہیں اور ان کے بغیر نماز پڑھنے والے دنیا کے سارے مسلمان صحیح احادیث کے منکر اور فرمان رسول پر اپنے مذہب کو مقدم سمجھنے والے، منکر حدیث ہیں، بلکہ سب کا اسلام ہی خطرے میں

ہے۔پھر وہابی مولوی کی پریشان خیالی ملاحظہ کیجئے کہ پہلے تو یہ لکھا کہ ''اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کی اقتدا میں بہتر نہیں'' اس کے بعد یہ فرمان جاری کر دیا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے والے ،آہستہ آمین کہنے والے فرمان رسول پر اپنے مذہب کو مقدم سمجھنے والے اور منکر حدیث ہیں۔ان کا اسلام بھی خطرے میں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا وہابیوں کے یہاں ایسے لوگوں کی اقتدا میں نماز پڑھنا صرف ''بہتر نہیں'' جنہیں وہ منکر حدیث سمجھتے ہیں اور جو ان کے نزدیک فرمان رسول پر اپنے مذہب کو مقدم سمجھنے والے ہیں،یعنی پڑھ لے تو ہو جائے گی؟

قارئین کرام! دراصل نماز کا صحیح ہونا نہ ہونا وہابیوں کے یہاں کوئی اہم مسئلہ نہیں۔اہم مسئلہ یہ ہے کہ غیر اہل حدیث کے پیچھے نماز پڑھنے کا مقصد اگر دوسروں کو اہل حدیث بنانا اور اپنا مسلک پھیلانا ہو تو خواہ کوئی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ''ضروری'' ہے۔چناں چہ وہابی مفتی کا یہ جملہ ایک بار پھر پڑھیے'' اگر سنت اور صحیح مسلک (وہابیوں کے مطابق وہابیت وغیر مقلدیت) کی اشاعت کی خاطر احناف کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے تو جائز کیا بلکہ ضروری ہے''۔(مصدر سابق) مذہبی تعصب کا یہ جنون دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ تقیہ بازی میں وہابیہ آگے ہیں یا روافض؟

آمین کہنے کے فضائل

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں اور ایک دوسرے کی آمین میں موافقت ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔ (صحیح البخاری ۱/۱۵۶ حدیث:۷۸۱)

ابن رجب حنبلی نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے:

جب نمازی قرأت فاتحہ سے فارغ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرماتا ہے: هٰذَا لِعَبْدِيْ وَ لِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ ۔یہ میرے بندے کے لئے ہے اور

میرے بندے کیلئے وہ ہے جو (ہدایت واستعانت) اس نے مانگا۔اس وقت فرشتے نمازی کی دعا پر آمین کہتے ہیں، لہذا یہ مشروع کیا گیا ہے کہ نمازی آمین کہیں تا کہ فرشتوں کی آمین کی موافقت ہو جائے تو آمین کہنے والے کی دعا مقبول ہو۔(فتح الباری لابن رجب ۱۰۳/۷)

حضور نبی اکرم ﷺ نے آمین کہنے کی ترغیب اس لئے دی ہے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔فرشتوں کی دعا مقبول ہوتی ہے۔فرشتوں کی آمین کے ساتھ بندوں کی آمین بھی رب کی بارگاہ میں پہنچے گی تو رب تعالیٰ ضرور قبول فرمائے گا۔یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: رکن یمانی پر اس وقت سے ایک فرشتہ آمین کہنے پر مقرر کر دیا گیا ہے جب سے آسمان و زمین کی تخلیق ہوئی ہے۔لہذا جب تم رکن یمانی سے گذرو تو یہ دعا کرو: رَبَّـنَا آتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔(حلیۃ الاولیاء ۸۲/۵)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے مجھے تین خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ خصوصیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے صفوں (جماعت) میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور تحیت (السلام علیک) عطا فرمائی جو جنتیوں کی تحیت ہے اور مجھے آمین عطا فرمائی۔مجھ سے پہلے کسی نبی کو آمین نہیں دی گئی ہے سوائے حضرت ہارون علیہ السلام کے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔(صحیح ابن خزیمہ ۳۹/۳ حدیث: ۱۵۸۶)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہودیوں کو تمہارے سلام اور آمین سے جتنا حسد ہے اتنا کسی اور چیز سے حسد نہیں۔ (سنن ابن ماجہ ۱۲۱۹/۲)

خلاصۂ کتاب:

نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کے بعد امام ومقتدی کے لئے آمین کہنے کی احادیث کریمہ میں بڑی فضیلت آئی ہے۔قرأت فاتحہ کے بعد امام ومقتدی کیلئے آمین کہنا سنت ہے۔اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔بعض احادیث میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں آہستہ کہنے کا ذکر ہے۔حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عمر، حضرت علی اور اہل کوفہ صحابۂ کرام وتابعین عظام، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک ،سفیان ثوری اور طبری رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک آہستہ آمین کہنا سنت ہے اور امام شافعی کے جدید قول کے مطابق آہستہ کہنا سنت اور قدیم قول کے مطابق بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔علماء شوافع مثلا نووی وغیرہ نے قدیم قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔امام احمد بن حنبل بھی بلند آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں۔

اہل سنت کے ائمۂ مجتہدین میں سے بعض آہستہ آمین کہنے کو سنت کہتے ہیں اور بعض ائمہ بلند آواز سے آمین کہنے کو سنت کہتے ہیں۔لیکن کوئی آہستہ آمین کہنے والوں کو گمراہ، مخالف سنت ومنکر حدیث اور باطل پرست نہیں کہتا۔لیکن فرقۂ وہابیہ (غیر مقلدین) اہل سنت کے موقف سے ہٹ کر بلند آواز سے آمین نہ کہنے والوں کو گمراہ، باطل پرست اور منکر حدیث کہتا ہے۔یہ ان کی مذہبی دہشت گردی اور سراسر ظلم ہے۔

شوافع اور حنابلہ بلند آواز سے آمین کہتے ہیں۔ان کی دلیل وہ احادیث وآثار ہیں جن میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے۔

احناف اور مالکیہ آہستہ آمین کہتے ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن حکیم میں آہستہ دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی مدح بیان کی گئی ہے۔لہذا نماز میں آہستہ آمین کہنا چاہئے۔صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے آہستہ آمین کہی۔حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پیچھے انہوں نے نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ فاتحہ کے بعد آہستہ آمین کہی۔اکابر صحابہ مثلا حضرت

عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت علی اور تابعینِ کرام مثلاً ابرہیم نخعی، عامر شعبی، ابراہیم تیمی اور امام ابو حنیفہ اور تمام اہل کوفہ صحابۂ کرام و تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آہستہ آمین کہنے کو سنت قرار دیتے تھے۔ جن احادیث و آثار میں اونچی آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے، احناف اور مالکیہ ان کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اور بعض صحابہ نے کبھی کبھی تعلیم و ترغیب کیلئے بلند آواز سے آمین کہی ہے۔ جیسا کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں: مَا اَرَاهُ اِلَّا یُعَلِّمُنَا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضور نے اونچی آواز سے آمین ہماری تعلیم کی غرض سے کہی۔ جن احادیث و آثار مین آہستہ آمین کہنے کا ذکر ہے ان کو قرآنی نص سے تائید حاصل ہے، اس لئے احناف و مالکیہ نے انہیں ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ آہستہ آمین کہنا سنت ہے۔ لیکن احناف و مالکیہ اونچی آواز سے آمین کہنے والے شوافع و حنبلی حضرات کو مخالف سنت، منکر حدیث نہیں کہتے۔ اسی طرح شوافع و حنبلی حضرات اگرچہ اونچی آواز سے آمین کہنے کو مسنون کہتے ہیں لیکن وہ بھی احناف اور مالکیہ کو منکر حدیث اور مخالف سنت نہیں کہتے اور انہیں اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بناتے، کیونکہ یہ سب کے سب اہل سنت و جماعت ہیں۔ مجتہدین اور ان کے مقلدین فقہی، فروعی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کو باطل پرست و گمراہ نہیں کہتے۔ لیکن وہابی غیر مقلدین جو اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں وہ اس میں شدت برتتے ہیں اور اپنے سوا تمام مسلمانوں کو باطل پرست و گمراہ بلکہ مشرک تک کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوش عقیدہ مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

ایک خیر خواہانہ گذارش:

یہ سچ ہے کہ وہابی غیر مقلدین فروعی مسائل میں تشدد سے کام لیتے ہیں اور اپنے سوا تمام اہلسنت و جماعت کو گمراہ بلکہ مشرک بھی کہتے ہیں۔ جن فروعی مسائل میں ان کا تشدد مشہور ہے، ان میں سے مسئلۂ آمین بھی ہے۔ وہابی غیر مقلدین بلند آواز سے آمین نہ کہنے

والے اہلسنت و جماعت کو منکر حدیث اور باطل پرست کہتے ہیں، یقیناً ان کا یہ ظلم وتشدد ہے، لیکن وہابی غیر مقلدین کے اس ظلم وتشدد کے ردعمل میں ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ اہل سنت و جماعت میں سے جو حضرات مثلاً شوافع اور حنابلہ بلند آواز سے آمین کہتے ہیں، ان کے ساتھ بھی وہی رویہ اپنایا جائے جو وہابی غیر مقلدین کے تعلق سے اہلسنت و جماعت کا ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کا، وہابی غیر مقلدین کے تعلق سے کراہت و نا پسندیدگی کا رویہ، فروعی مسائل کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ اہل سنت و جماعت کے چاروں فقہی مذاہب کے ماننے والوں کو گمراہ ومشرک کہتے ہیں اور چاروں مذاہب سے الگ اپنا ایک خاص مذہب رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو اہل سنت نہیں بلکہ اہل حدیث کہتے ہیں، حالانکہ اہل حدیث گروہ محدثین کو کہا جاتا ہے، لیکن فرقۂ اہل حدیث (وہابیہ) کا ہر خواندہ و نا خواندہ آدمی اپنے آپ کو اہل حدیث کہتا ہے۔ آمین بالجہر اور ترک رفع یدین، قرأت خلف الامام وغیرہ اختلافی مسائل میں ہمارے ردوقدح کا رخ غیر مقلدین کی طرف ہونا چاہئے۔ علماء وخطباء اس انداز سے ان مسائل کا رد نہ کریں کہ ہمارے شافعی، مالکی اور حنبلی بھائیوں پر کوئی ضرب آئے اور ان کی دل شکنی ہو۔ الحمدللہ ہمارے تمام شافعی، مالکی، حنبلی اور حنفی بھائی اہلسنت و جماعت اور اہل حق ہیں۔ ہمارے مد مقابل وہابی غیر مقلدین ہیں، جو باتفاق اہلسنت و جماعت، جماعت اہلسنت سے خارج ہیں۔ تاہم ہمارے بحث ومباحثہ کا انداز غیروں کے ساتھ بھی مصلحانہ اور خیر خواہانہ ہونا چاہئے نہ کہ معاندانہ اور جارحانہ۔

مآخذ و مراجع

اسماء کتب	مصنفین	وفات	مطبع	سن طبع
القرآن الکریم				
الآثار لمحمد بن الحسن	محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	
احکام الاحکام	ابن دقیق العید		مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ	
اکمال تہذیب الکمال	علاء الدین مغلطائی	۷۶۲ھ	الفاروق الحدیثیہ للطباعۃ۔	۲۰۰۱ء
ارشاد الساری لشرح البخاری	احمد بن محمد قسطلانی	۹۲۳ھ	المطبعۃ الکبیرۃ الامیریہ مصر	۱۳۲۳ھ
آثار السنن	محمد بن علی نیموی	۱۳۲۲ھ	اصح المطابع لکھنو	
الاعلام	خیر الدین زرکلی	۱۳۹۶ھ	دار العلم للملایین	۲۰۰۲ء
بدائع الصنائع	علاء الدین بن مسعود کاسانی	۵۸۲ھ	المکتبۃ الحبیبۃ پاکستان	۱۹۸۹ء
البنایہ	بدر الدین عینی	۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۲۰۰۰ء
تحفۃ الاحوذی	عبد الرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	
تہذیب الکمال فی اسماء الرجال	یوسف بن عبد الرحمٰن المزی	۷۴۲ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت	۱۹۸۰ء
تہذیب الاسماء واللغات	ابوزکریا ابن شرف نووی	۶۷۶ھ	شبکۃ مشکاۃ الاسلامیہ	۱۹۸۸ء
تاریخ الاسلام	شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ	دار الغرب الاسلامی	۱۹۹۳ء
التاریخ الکبیر	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۶۵ھ	دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد	
تاریخ بغداد	احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	
التفسیر المنیر	وھبہ بن مصطفیٰ زحیلی		دار الفکر المعاصر بیروت	۱۴۱۸ھ
تفسیر البغوی	حسین بن مسعود بغوی	۵۱۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱۴۲۰ھ
التفسیر الکبیر	محمد بن عمر فخر الدین رازی	۶۰۶ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱۴۲۰ھ
تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین	عمر بن احمد بن شاہین	۳۸۵		۱۹۸۹ء
تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد	۱۳۲۶ھ
التاج والاکلیل	محمد بن یوسف المالکی	۸۹۷ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱۹۹۴ء
تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ	دار المعرفت، بیروت	۱۹۹۲ء

ترجمہ قرآن مع تفسیر ثنائی	ثناء اللہ امرتسری	۱۳۶۷ھ	مکتبہ چشمہ نور امرتسر	
تاریخ خلیفہ	خلیفہ بن الخیاط بصری	۲۴۰ھ	دار القلم مؤسسۃ الرسالہ دمشق	۱۳۹۷ھ
الثقات	محمد بن حبان البستی	۳۵۴ھ	دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد	۱۹۷۳ء
الجوہر النقی	علاء الدین بن ترکمانی	۷۵۰ھ	دار الفکر، بیروت	
الجامع لابن وھب	عبد اللہ بن وھب مصری	۱۹۷ھ	دار الجوزی الریاض	۱۴۱۶ھ
الجرح والتعدیل	عبد الرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم	۳۲۷ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت	۱۹۵۲ء
جامع بیان العلم وفضلہ	یوسف بن عبد اللہ القرطبی	۴۶۳ھ	دار ابن الجوزی السعودیہ	۱۹۹۴ء
حلیۃ الاولیاء	احمد بن عبد اللہ اسبہانی	۴۳۰ھ	دار الکتاب العربی بیروت	۱۹۷۴ء
حاشیۃ الدسوقی	محمد بن احمد دسوقی	۱۲۳۰ھ	دار الفکر	
الدر المختار مع رد المحتار	ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ	دار الفکر، بیروت	۱۹۹۲ء
دیوان الضعفاء	شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ	مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ، مکہ	۱۹۶۷ء
الذخیرۃ	احمد بن ادریس قرافی		دار الغرب	۱۹۹۴ء
سیر اعلام النبلاء	شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ	دار الحدیث، قاہرہ	۲۰۰۶ء
سنن الدار قطنی	علی بن عمر دار قطنی	۳۸۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت	
السنن الکبریٰ	احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت	۲۰۰۳ء
سنن ترمذی	محمد بن موسیٰ الترمذی	۲۷۹ھ	دار الغرب الاسلامی	۱۹۹۸ء
سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ ابو عبد اللہ القزوینی	۲۷۳ھ	دار احیاء الکتب العلمیہ	
سنن النسائی	شعیب بن علی خراسانی	۳۰۳ھ	مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب	۱۹۸۶ء
سنن ابی داؤد	ابوداؤد بن الاشعث سجستانی	۲۷۵ھ	المکتبۃ العصریۃ، بیروت	
شرح عقود رسم المفتی	ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ		
شرح السنہ	حسن بن مسعود البغوی	۵۱۶ھ	المکتب الاسلامی، دمشق	۱۹۸۳ء
شرح مختصر خلیل	محمد بن عبد اللہ الخرشی	۱۱۰۱ھ	دار الفکر، بیروت	
شرح ابی داؤد	بدر الدین عینی	۸۵۵ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض	۱۹۹۹ء
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد طحاوی	۳۲۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱۹۹۶ء
صحیح ابن خزیمہ	محمد بن اسحاق خزیمہ	۳۱۱ھ	المکتب الاسلامی، بیروت	

صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ	دار طوق النجاۃ، بیروت	۱۴۲۳ھ
صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری	۲۶۱ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت	
الضعفاء والمتروکون	احمد بن شعیب خراسانی	۳۰۳ھ	دار الوعی، حلب	۱۳۹۶ھ
طبقات الحفاظ	جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱۴۰۳ھ
العذب النمیر	محمد امین شنقیطی	۱۳۹۳ھ	دار عالم الفوائد، مکہ	۱۴۲۶ھ
عرف الجاوی	نور الحسن ابن صدیق حسن			
فتح القدیر	محمد بن علی شوکانی	۱۲۵۰ھ	دار ابن کثیر دمشق	۱۴۱۴ھ
فتح الباری لابن رجب	عبدالرحمٰن ابن رجب حنبلی	۷۹۵ھ	مکتبۃ الغرباء الاثریۃ، مدینہ	۱۹۹۶ھ
فتاویٰ ستاریہ	مفتی عبدالستار		مکتبہ سعودیہ حدیث منزل، کراچی	
فتح الباری	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دار المعرفت، بیروت	۱۳۹۷ھ
القرأۃ خلف الامام	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۶۵ھ	المکتبۃ السلفیۃ	۱۹۸۰ء
کتاب الام	محمد بن ادریس شافعی	۲۰۴ھ	دار المعرفۃ بیروت	۱۴۱۰ھ
الکاشف	شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ	دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ جدہ	۱۴۱۳ھ
الکنی والاسماء	مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ	عمادۃ البحث الاسلامی، مدینہ	۱۹۸۴ء
الکامل فی الضعفاء	احمد بن علی مقریزی	۸۵۴ھ	مکتبۃ السنہ، مصر	۱۹۹۴ء
لسان المیزان	ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دائرۃ المعارف النظامیہ	۱۹۷۱ء
المبسوط لامام محمد	محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹ھ	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ	
معجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ	دار الحرمین قاہرہ	
المجموع شرح المہذب	یحییٰ بن شرف الدین نووی	۶۷۶ھ	دار الفکر، بیروت	
المدونہ	مالک بن انس مدنی	۱۷۹ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت	۱۹۹۴ء
المنتقی شرح الموطا	سلیمان بن خلف باجی	۴۷۴ھ	مطبعۃ السعادۃ، مصر	۱۳۳۲ھ
مسند ابو یعلیٰ	احمد بن یعلیٰ الموصلی	۳۰۷ھ	دار المامون للتراث، دمشق	۱۹۸۴ء
معرفت السنن والآثار	احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ	دار الوفاء، بیروت	۱۹۹۱ء
المغنی لابن قدامہ	عبداللہ بن احمد مقدسی	۶۲۰ھ	مکتبۃ القاہر	۱۹۶۸ء
مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ	مکتبۃ الرشید، ریاض	۱۴۰۹ھ

میزان الاعتدال	شمس الدین ذہبی	۷۴۸ھ	دارالمعرفۃ، بیروت	۱۹۶۳ء
المستدرک علی الصحیحین	حاکم محمد بن عبداللہ	۴۰۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت	۱۹۹۰ء
مسند احمد	احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ	موسسۃ الرسالہ	۲۰۰۱ء
معجم الصحابۃ	عبداللہ بن محمد بغوی	۳۱۷ھ	مکتبہ دارالبیان، کویت	۲۰۰۰ء
موطا امام محمد	محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ	المکتبۃ العلمیۃ	
مسند ابوداوٗد الطیالسی	سلیمان بن داوٗد طیالسی		دارالمعرفت، بیروت	
المحلیٰ بالآثار	علی بن احمد قرطبی	۴۵۶ھ	دارالفکر، بیروت	
منہج الامام احمد فی اعلال الحدیث	بشیر علی		وقف السلام	۲۰۰۵ء
المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ	مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ	
نصب الرایہ	جمال الدین زیلعی	۷۶۲ھ	دارالقبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ	۱۹۹۷ء
نزل الابرار فی الادعیۃ الماثورہ	صدیق حسن خاں			
وافی بالوفیات	صلاح الدین ابن ایبک صفوی	۷۶۴ھ	داراحیاء التراث، بیروت	۲۰۰۰ء